شہری

برائے بہتر ماحول

جنوری تا جون 2006ء

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہریوں کا ایک چھوٹا سا گروہ جو شعور رکھتا ہو وہ یقیناً دنیا کو بدل سکتا ہے.... مارگریٹ میڈ

اندرونی صفحات میں

- صنفی ذی حسی، شہری، معاشرہ اور پولیس
- شہری ایڈووکیسی
- آیکم اسٹینر: ایک ماحول دوست شخصیت
- زلزلے کے کچھ ما بعد

کچھوؤں کی محفوظ سکونت کے لیے پائیدار منصوبہ

شہری سی بی ای نے گلوبل انوائرمنٹ فیسلیٹی کے مالی تعاون اور یو این ڈی پی کے زیرنگرانی ہاکس بے اور سینڈزپٹ کے ساحل پر کچھوئوں کی سکونت اور تحفظ کے لیے ایک قابل عمل منصوبہ تیار کیا ہے۔ اس دو سالہ منصوبے کے اغراض و مقاصد اور ماحصل کی دستاویز کا خلاصہ درج ذیل ہے

منصوبے کا بنیادی مقصد سبز سمندری کچھوؤں (Chelonia Mydas) کے تحفظ کے لیے پائیدار سرگرمیوں اور پروجیکٹ ایریا میں کچھوؤں کے انڈے دینے کی پناہ گاہوں کے لیے نظم وضبط کو بہتر بنانا تھا۔ یہ کام ماحولیاتی منتظم نگران اور شراکتی حکمت عملی کے تصور پر مبنی سفارشات کے ذریعے کیا جاتا۔

پروجیکٹ کی سرگرمیوں کو تین الگ الگ حصوں میں تقسیم کر کے مندرجہ مختلف پیمانوں کی کامیابی حاصل کی گئی۔

- فطری جائے سکونت کا انتظام۔
- عوامی شرکت اور آگاہی میں اضافہ۔
- موجودہ قانون ساز دستاویز میں ترمیم۔

پروجیکٹ کے پہلے دو اجزا میں کامیابی کا پیمانہ بہت بلند تھا۔ پروجیکٹ ایریا کے لیے پائیدار اور مستقل فطری جائے سکونت کے انتظام کے لیے ایک تفصیلی اور جامع دائرۂ کار وضع کیا گیا جس نے تجویز کردہ رہنما خطوط پر مبنی انتظامی رہنما خطوط اور مجوزہ اعمال دونوں کو مضبوط کیا۔ پاکستان میں پہلی مرتبہ ایک حساس ماحولیاتی نظام کے لیے ایک فطری سکونتی موزونیت کے اشارے (ایچ ایس آئی) مرتب کیے گئے۔ سکونتی ماڈل ایک قابل عمل ذرائع، وسائل اور باہمی نظام فراہم کرتے ہیں۔ پروجیکٹ میں مطلوبہ ماحولیاتی

کچھوا نگران کمیٹی کا اجرا

کچھوؤں کی نسل کی بقا میں مدد دینے کے منصوبے کے لیے کچھوا نگراں کمیٹی کا باقاعدہ اجرا کرنے کے لیے ایک میٹنگ کا انعقاد ہوا۔ دورانِ میٹنگ منصوبے سے متعلق مختلف پہلوؤں پر تفصیلی تعارف اور بحث ومباحثے کے بعد کمیٹی کے جن اہم اغراض ومقاصد اور فرائض کو حتمی شکل دی گئی وہ درج ذیل ہیں۔

مقاصد

سینڈزپٹ/ ہاکس بے ساحلوں کے ایسے ماحول دوست استعمال کی حمایت اور اعانت کی جائے جو سمندری کچھوؤں کی افزائش نسل کے لیے ایک محفوظ سکونت کی فراہمی کے عین مطابق ہو۔ (صفحہ 4 ملاحظہ فرمائیے)

کسوٹی تیار کرنے کی غرض سے سکونتی ماڈلنگ کی تیکنیک استعمال کی گئی تاکہ پروجیکٹ ایریا میں کچھوؤں کی پائیدار سکونت اور انڈے دینے کے لیے ضروریات کا اندازہ لگایا جائے اور وہ پالیسی سازوں اور محفوظ علاقے کے منتظموں کے لیے آلہ کار فراہم کر سکے اور ان کی انتظامی صلاحیتوں میں اضافہ ہو سکے۔

اس کے علاوہ پروجیکٹ ایریا کو ایک محفوظ علاقہ قرار دینے کے لیے ایک جامع قابل عمل احکامات تیار کیے گئے اور تمام متبادل احکامات سمیت بین الاقوامی اور قومی محفوظ علاقوں کی اچھی طرح تشخیص کی گئی تاکہ پروجیکٹ ایریا کو محفوظ علاقہ قرار دینے کے لیے ایک درست نمونہ تیار ہو سکے۔

چوکیداروں کے لیے دو مرحلوں پر مشتمل ماحولیاتی منتظم کے تصور اور عمل پر ایک کامیاب تربیتی پروگرام کا اہتمام کیا گیا جس میں تقریباً 100 ہٹ چوکیداروں نے شرکت کی۔ ساحلی علاقے میں ترقی سے متعلق تمام خلاف ورزیوں/ ناجائز قابضین کی تفصیلی دستاویز تیار کی گئی تاکہ ساحلی علاقے کی سکونتی موزونیت پر اثرات کا اندازہ لگایا جا سکے۔

آگاہی بڑھانے والی سرگرمیوں میں نوجوانوں کو ملوث کیا گیا۔ تین مقامی اسکولوں میں کچھوا محبان کلب قائم کیے گئے جن کا مقصد نوجوانوں کی تربیت اور ان میں آگاہی پیدا کرنا تھا۔ طلباء کے لیے کچھوؤں کا نظارہ کرنے کے لیے سیاحتی دورے اور کچھوا تحفظ کے موضوع پر تصویر کشی کے مقابلے منعقد کیے گئے۔ ایک مقامی اسکول کے طلباء نے پروجیکٹ کا 'لوگو' تیار کرنے میں حصہ لیا۔ بک گروپ نامی این جی او کے تعاون سے ایک کتابچہ 'سبز کچھوے' کے نام سے تیار کیا گیا جو اب بعض اسکولوں میں نصاب کا حصہ ہے۔

کچھوؤں کے تحفظ اور ان کی فطری جائے سکونت کے موضوع پر ایک گیت اور ویڈیو تیار کی گئی جسے نجی ٹیلی ویژن چینلز پر دکھایا گیا۔ پاکستان فشر فوک فورم کے اشتراک سے ایک اسٹریٹ تھیٹر مرتب کیا گیا جس میں خصوصی طور پر مقامی لوگوں کو ہدف بنایا گیا۔ اسٹیکرز، مگز، ٹی شرٹس جیسے یادگار تحفے (سووینیرز) تیار کیے گئے جن پر کچھوا تحفظ کا پیغام درج تھا۔ سامعین نے آگاہی بڑھانے والے ان اقدامات کا دلی خیر مقدم کیا۔

مالی امداد ختم ہونے پر پروجیکٹ کی پائیداری کے لیے کچھوا نگراں کمیٹی قائم کی گئی جو شہری معاشرے کے متعلقہ افراد مثلاً این جی اوز، مقامی آبادی اور جھونپڑیوں کے مالکان پر مشتمل تھی انہیں شہری۔سی۔بی۔ای نے سہولتیں بہم پہنچائیں۔

اس کے باوجود جھونپڑ لیز کی دستاویزات میں ترمیمات کو متعارف کرانے میں محدود کامیابی حاصل ہو سکی۔ جن کا مقصد جھونپڑ مالکان کو ملاقاتی، عارضی اور مستقل کچھوؤں کو درپیش خطرات سے نمٹنے کی ضرورت کو محسوس کرانا تھا۔ کچھوؤں کو تحفظ فراہم کرنے کی ضرورت کا احساس دلانا تھا۔

کراچی پورٹ ٹرسٹ (سینڈز پٹ کے ساحل پر ہٹ کی لیزنگ کا ذمہ دار) کی انتظامیہ سے مجوزہ ترمیمات کو لیز دستاویز میں شامل کرانے کے لیے رجوع کیا گیا لیکن کوئی مثبت ردِعمل حاصل نہ ہو سکا۔

سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کراچی (ہاکس بے ساحل پر ہٹس کی لیزنگ کی ذمہ دار) کا جہاں تک تعلق ہے تو یہاں بھی ان معنوں میں محدود کامیابی حاصل ہو سکی کیونکہ شہری سی بی ای کی پروجیکٹ ٹیم بعض کونسلروں کو سٹی کونسل کے اجلاس میں مجوزہ ترمیمات کی منظوری کے لیے ایک قرارداد پیش کرنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب رہی لیکن کونسل کے اجلاس میں قرارداد کو مطلوبہ حمایت حاصل نہ ہو سکی جس کی وجہ سے لیز دستاویزات میں ترمیمات کو شامل نہیں کیا جا سکا۔

کے پی ٹی کی جاری کردہ ہٹ لیز دستاویز میں ترمیم کا مقصد حاصل کرنے میں اصولی رکاوٹ کے پی ٹی افسر شاہی کا بے حس اور غیر متحرک رویہ تھا شہری کی پروجیکٹ ٹیم کی مستقل کوششوں کے باوجود مثبت ردِعمل حاصل نہ ہو سکا اور بیشتر بحث و مباحثہ اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ کے ساتھ ہوا۔ تاہم ان محکموں کا متعلقہ عملہ لیز ترمیمات کے کیس کو کے پی ٹی بورڈ کے سامنے کامیابی سے پیش نہیں کر سکا۔

سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کے ساتھ مختلف لائحہ عمل اختیار کیا گیا کیونکہ سی ڈی جی کے منتخب کونسلروں کی نمائندگی کرتی ہے اس لیے پروجیکٹ ٹیم کو ایک مختلف طریقہ کار کی ضرورت تھی چنانچہ اسٹیٹ ریونیو ڈپارٹمنٹ اور ناظم سمیت منتخب کونسلروں سے رابطے قائم کیے گئے۔

ابتدا میں اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ کا ردِعمل

شہری

جی 206 بلاک 2۔ پی ای سی ایچ ایس
کراچی۔75400، پاکستان
ٹیلی فون/ فیکس 92-21-453-0646
E-mail: Shehri@onkhura.com
(Web site)
www.shehri.org

ایڈیٹر : سمیرا نعیم
انتظامی کمیٹی:
چیئر پرسن : رونالڈ ڈی سوزا
وائس چیئر پرسن: ایس رضا علی گردیزی
جنرل سیکریٹری : امبر علی بھائی
خزانچی : شیخ رضوان عبداللہ
ارکان : خطیب احمد، ڈیرک ڈین، حنیف اے ستار
شہری اسٹاف:
کوآرڈی نیٹر : سرور خالد
اسسٹنٹ کوآرڈی نیٹر: ریحان اشرف
بانی ارکان:
نوید حسین، قاضی فائز عیسیٰ
حمیر الرحمٰن، دانش آذر زوبی
زین شیخ، خالد ندوی، قیصر بنگالی
شہری ذیلی کمیٹیاں:
i- قانون
ii- میڈیا اور بیرونی روابط
iii- آلودگی کے خلاف
iv- پارکس اور تفریح
v- اسلحہ سے پاک معاشرہ
vi- تحفظ ورثہ
vii- مالی حصول

شہری کی رکنیت ''شہری برائے بہتر ماحول'' کے تمام ارکان کے لیے کھلی ہے۔ اس اشاعت میں شامل مضامین کو شہری کے حوالے کے ساتھ شائع کرنے کی اجازت ہے۔
ایڈیٹر/ ادارتی عملہ کا خبرنامہ میں شائع ہونے والے مضامین سے متفق ہونا ضروری نہیں۔
لے آؤٹ اور ڈیزائن: حیاء الدین حیات
پروڈکشن: انٹر پریس کمیونی کیشن (IPC)
مالی تعاون: فریڈرک نومان فاؤنڈیشن
گرین IUCN دی ورلڈ کنزرویشن یونین

حوصلہ افزا نہیں تھا لیکن بتدریج شہری پروجیکٹ ٹیم متعلقہ عملے کے ساتھ تعلق کار قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی اور انہوں نے سٹی کونسل میں منظوری کے لیے پیش کی جانے والی قرارداد کے مسودے کی تیاری میں اعانت فراہم کی تاہم کونسل میں قرارداد کو منظور کرانے کے لیے مطلوبہ حمایت اور تائید حاصل نہ ہوسکی چنانچہ لیز دستاویزات میں ترمیمات کو شامل نہ کیا جاسکا۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ کے پی ٹی افسر شاہی کو کس طرح قائل کیا جاسکتا ہے؟ دعوؤں کے برخلاف یہ صاف عیاں ہے کہ کے پی ٹی میں فیصلہ سازی کے عمل میں ماحولیاتی خدشات کی گنجائش نہیں ہے خصوصاً اس وقت جب چناؤ ترقی اور ماحولیاتی تحفظ کے درمیان ہو۔

کچھوؤں اور ان کی سکونت کا تحفظ ایک ایسا معاملہ ہے جو کے پی ٹی کی ترجیحات میں شامل نہیں ہے پروجیکٹ میں وقت کا دباؤ بھی مسلسل تھا ورنہ کے پی ٹی افسر شاہی پر توجہ مذکور کرنے کی بجائے کے پی ٹی بورڈ کے ارکان تک مزید رسائی سے بہتر نتائج حاصل کیے جاسکتے تھے۔

کے پی ٹی کی بھاری بھرکم افسر شاہی کے مقابلے میں سی ڈی جی کے منتخب کونسلروں کے ساتھ کام کرنا ٹیم کے لیے بہتر ثابت ہوا۔ ابتدائی بے اعتنائی کے باوجود اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ کے افسران کسی حد تک ہمارے مقاصد سے قائل ہوگئے اور پھر اس حد تک آگے بڑھے کہ کونسل قرارداد کا مسودہ تیار کرنے میں تعاون کیا، لیکن کونسل کے اجلاس میں وقت پر قرارداد کو اختیار کرنے کے لیے مطلوبہ تائید حاصل نہ ہوسکی۔

بہرحال پروجیکٹ کا مثبت پہلو سکونتی انتظام ولائحہ عمل کے لیے ایک مکمل دائرۂ کار کی تیاری ہے۔ یہ دائرہ کار تمام متعلقہ پہلوؤں مثلاً پالیسی سازی، منصوبہ بندی، نفاذ اور انتظام کا احاطہ کرتا ہے اور سکونت کے انتظام اور منصوبہ بندی سے متعلق تمام فیصلوں میں ایک شراکتی رسائی کی سفارش کرتا ہے۔

پروجیکٹ ایریا کو محفوظ علاقہ قرار دینے کے لیے ایک تفصیلی امکانی رپورٹ کا بھی اہتمام کیا گیا۔ مختلف انتخابی اختیارات کا ان کے پروجیکٹ ایریا سے نسبت کے باعث تجزیہ کیا گیا اور محفوظ علاقے کے تقرر کے لیے قومی اور بین الاقوامی تسلیم شدہ انتخابی اختیارات کی بھرپور تشخیص کی گئی۔

ہاکس بے/سینڈز پٹ کی ساحلی پٹی کے لیے ہٹ کی ملکیت اور تعمیر میں ہونے والی خلاف ورزیوں کی تفصیلی دستاویز تیار کی گئی جو علاقے میں مستقبل کی کسی بھی منصوبہ بندی اور ماحولیاتی تحفظاتی اقدامات میں معاون ہونے کے لیے ایک نہایت اہم دستاویز کا کردار ادا کرے گی۔

پروجیکٹ کا ایک انتہائی حوصلہ افزا پہلو نوجوانوں کے درمیان دلچسپی کا پیدا ہونا تھا۔ اسکول کے بچوں نے پروجیکٹ کا 'لوگو' منتخب کرنے اور کچھوؤں کے تحفظ کے موضوع پر ہونے والے تصویر کشی کے مقابلوں میں حصہ لیا۔ انہوں نے کچھوؤں کا نظارہ کرنے کے دوروں میں شرکت کی اور ساحل کی صفائی کی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا۔

پروجیکٹ ٹیم کو تین مقامی اسکولوں میں کچھوا محبان کلب قائم کرنے میں کامیابی ہوئی یہ صرف طلبا اور اساتذہ کی حد درجہ دلچسپی اور شرکت کی وجہ سے ممکن ہوسکا۔ عوامی شعور اور آگاہی میں اضافے کے لیے مختلف آلۂ کار مثلاً اسٹیکرز، مگس اور کچھوا تحفظ پر گیت/ ویڈیو نے لوگوں میں اچھی مقبولیت حاصل کی۔

پروجیکٹ کی ایک اور مثبت کامیابی مقامی برادری کی تربیت تھی۔ ماحولیاتی نگرانی کے تصور اور مشق میں جس کی نمائندگی چوکیداروں نے کی ایک سو سے زیادہ چوکیداروں نے دو تربیتی اجلاسوں میں شرکت کی، جن کی بنیاد جدت اور اختراع پر تھی اور جس کا انتظام مکمل طور پر بصری ذریعے پر کیا گیا تھا۔ یہ توقع کی جاتی ہے کہ اس پروگرام کا آغاز پروجیکٹ ایریا کے لیے ماحولیاتی نگرانوں کی ایک باعلم اور مشاق قوت تیار کرنے میں بہت زیادہ مددگار ثابت ہوگا۔

پروجیکٹ کا ماحصل

پروجیکٹ کے دوران مندرجہ ذیل ٹھوس نتائج حاصل کیے گئے۔

- ایک جامع دستاویز جس میں سکونتی انتظام کے لیے مجوزہ دائرہ کار اور محفوظ علاقے کی حیثیت سے پروجیکٹ ایریا کے تقرر کے لیے تفصیلی قابل عمل طریقہ کار شامل تھے۔
- ایک ابتدائی قابل عمل طریقہ کار کے مطالعے کے لیے سینڈز پٹ / ہاکس بے ساحلوں میں سبز کچھوؤں کی سکونت کے ہجرتی انداز اور نمونے کا تعین کرنے کے لیے ڈی این اے نقشہ سازی کا استعمال۔
- سینڈز پٹ / ہاکس بے کے ساحلوں پر ہٹ کی تعمیرات میں زمین کے استعمال کی تیاری جس میں تصویری شہادتیں بھی شامل کی گئیں۔
- این جی او ایک گروپ کے تعاون سے بچوں کی تعلیم کے لیے کچھوؤں کے تحفظ پر سبز کچھوے کے نام سے ایک رہنما کتابچے کی تیاری۔
- پاکستان نیٹ ورک فورم کے تعاون سے کچھوا تحفظ کے موضوع پر اپنی قسم کا پہلا اسٹریٹ تھیٹر تیار کیا گیا۔
- تین مقامی اسکولوں میں کچھوا محبان کلب کا قیام۔
- نگران کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جس میں مختلف شعبہ ہائے زندگی کے ارکان شامل ہیں۔
- مقامی برادری کے لیے ماحولیاتی منتظم کے تصور اور اعمال پر ویڈیو کی بنیاد پر ایک رہنما تربیتی پروگرام کی تیاری۔
- عوامی شعور کو بڑھانے اور کچھوا سکونت کے تحفظ کے فروغ کے لیے مندرجہ ذیل آلۂ کار کی تیاری۔
- کچھوا سکونت کے تحفظ کے موضوع پر گیت / ویڈیو۔
- اطلاعاتی تصاویر / پوسٹر۔
- کچھوا تحفظ مگز، اسٹیکرز، ٹی شرٹس اور بیج تیار کیے گئے۔

پروجیکٹ ایریا میں اراضی مالکان اداروں مثلاً سی ڈی جی کے اور کے پی ٹی کے کردار اور شراکت کو منصوبہ بندی کے مرحلے میں اہمیت دی گئی۔ یہ فرض کیا گیا کہ وہ علاقے کی حساس ماحولیاتی حیثیت کا ادراک کریں گے اور پالیسی اقدامات کی شکل میں کچھ نہ کچھ مدد اور تائید فراہم کریں گے جو پروجیکٹ کے مقاصد کو حاصل کرنے میں معاون ہوسکتی ہے۔

یہ متوقع مدد خصوصاً کے پی ٹی کے حوالے سے حقیقت کا روپ نہ دھار سکی۔ نوکر شاہی، سرخ فیتہ اور سیاسی مفادات ملوث تھے جن کا ادراک پروجیکٹ کی منصوبہ بندی کے مرحلے پر بھرپور طور پر نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے پروجیکٹ کے محدود مثبت نتائج حاصل ہوسکے جو کچھوؤں کی فطری جائے سکونت کے بہتر تحفظ کے لیے موجودہ قانون ساز آلات کار کو قوت بخشنے سے متعلق تھے۔

ساحلوں کو سب سے زیادہ استعمال کرنے والے ہٹ مالکان ہیں۔ انہیں ان کے کردار اور ذمہ داریوں کا احساس دلانے

اور ساحلوں کے ماحول دوست استعمال کے لیے پسندیدہ سطح تک متحرک کرنے میں کامیابی نہ ہوسکی جس کی وجہ سے ہٹ چوکیداروں کے ماحولیاتی نگران کی حیثیت سے تربیت کا اثر کم ہوگیا۔

یہ محسوس کیا گیا کہ سکونتی انتظامی لائحہ عمل کی صورت میں متعلقہ پالیسی بنانے والوں کو بہترین دستاویز فراہم کی گئی ہے جو ایسی پالیسیوں، منصوبوں اور پروجیکٹ کے لیے بنیاد ہوسکتی ہے جن کا مقصد پروجیکٹ ایریا میں کچھوؤں اوران کی جائے سکونت کا تحفظ ہو۔

اسی طرح پروجیکٹ ایریا کو محفوظ علاقہ قرار دینے والی امکانی رپورٹ مستقبل میں ہونے والی ایسی کسی بھی کوشش کی بھرپور اعانت کرے گی۔

مقامی کمیونٹی کو ماحولیاتی نگران کی حیثیت سے تربیت فراہم کی گئی اور ممکن ہے کہ محفوظ علاقے میں مستقبل میں کوئی اور تحفظ کے لائحہ عمل کا نفاذ ہو اور اس میں مقامی لوگوں کے تعاون کی ضرورت ہو۔ اس صورت میں مذکورہ تربیت ان کے کام آئے گی۔ وہ اس وقت بھی مختلف تنظیموں مثلاً ڈبلیو ڈبلیو ایف پاکستان اور سندھ وائلڈ لائف ڈپارٹمنٹ کی جانب سے جاری تحفظ کے اقدامات میں بہتر اعانت فراہم کرنے کے قابل ہیں۔

پروجیکٹ کی سرگرمیوں کے ذریعے سے عوامی شعور (خصوصاً نوجوانوں) میں اضافہ کیا گیا جو پروجیکٹ ایریا میں متعلقہ اداروں پر تحفظ کے لائحہ عمل کے نفاذ کے لیے ایک باعلم دباؤ ڈالنے میں مدد دے گا۔

پروجیکٹس کے مقاصد کے تسلسل کے لیے اب ماحولیاتی نگران کمیٹی کی شکل میں ایک فورم موجود ہے۔ اس کمیٹی کو تقویت دینے کی ضرورت ہے اور یہ کام کمیٹی کے شرکاء کے بامقصد اقدامات سے ہی ممکن ہے۔

اسے متعلقہ سرکاری اداروں کے ساتھ موثر لابی کرنے اور ایسے تمام ماحول دوست اقدام کی تائید اور فروغ دینے کی ضرورت ہے جن کا مقصد کچھوؤں اور ان کی جائے سکونت کو تحفظ دینا ہو۔ اس میں اپنے اندر فنڈ اکٹھا کرنے اور مثبت اقدامات کے لیے حکومت اور شہری معاشرے کی تنظیموں کے کام میں مدد اور سہولتیں بہم پہنچانے کی صلاحیت پیدا کرنا ہے۔

پروجیکٹ کے چند ابتدائی اقدامات مثلاً کچھوا محبان کلب کو کامیاب بنانے کے لیے ڈونر ایجنسیوں اور کارپوریٹ سیکٹر کی مالی امداد فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔

پروجیکٹ کے تجربے سے یہ ظاہر ہوا ہے کہ موجودہ ماحولیاتی مسائل کے دیرپا اور طویل المدت حل کی تلاش میں سب سے زیادہ اہم سیاسی عزم، پالیسی، منصوبہ بندی کے موثر نفاذ کی ذمہ دار تنظیموں کی کارکردگی پر منحصر ہے۔

تاہم جہاں سرکاری سطح پر مطلوبہ تکنیکی اور انتظامی صلاحیتوں کا فقدان ہو وہاں استدلال، منصوبہ بندی اور دباؤ کو شامل کرنا چاہیے۔ سرکاری اور غیرسرکاری شراکت ایک مجوزہ تحریکی لائحہ عمل ہے۔

❀❀❀

بقیہ: کچھوا نگران کمیٹی کا اجرا

کمیٹی کی ساخت

کمیٹی مندرجہ ذیل متعلقہ افراد پر مشتمل ہوگی۔

- ہٹ مالکان کے نمائندے۔
- مقامی کمیونٹی کے نمائندے۔
- شہری: شہری برائے بہتر ماحول (کوآرڈی نیٹر)
- عالمی فنڈ برائے فطرت (ڈبلیو ڈبلیو ایف) پاکستان کے نمائندے۔

کمیٹی کے مجوزہ فرائض

- زمین کے ایسے استعمال یا ایسی ترقیاتی سرگرمیوں کی ثابت قدمی سے وکالت اور حمایت کرنا جو سمندری کچھوؤں کی افزائش نسل کے لیے نقصان دہ نہ ہوں۔
- ساحلوں کے ماحول دوست استعمال کی وکالت کرنا، فروغ دینا اور ثابت قدم رہنا مثلاً کوڑا کرکٹ کا موثر انتظام، کچھوؤں کے انڈے دینے کے موسم میں رات کے وقت روشنی نہ کرنا وغیرہ۔
- متعلقہ سرکاری اداروں مثلاً کراچی پورٹ ٹرسٹ، منوڑہ کنٹونمنٹ بورڈ، سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کراچی اور کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے ساتھ مل کر ان پالیسیوں کے نفاذ، لائحہ عمل اور منصوبوں کے لیے لابی کرنا جو سینڈز پٹ/ ہاکس بے پر سمندری کچھوؤں کی سکونت کا پائیدار و مستقل انتظام اور تحفظ کے مقاصد کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوں۔
- سمندری کچھوؤں کی سکونت کے تحفظ کے لیے عام لوگوں کے درمیان ادراک بڑھانے پر مذکورہ سرگرمیوں کو فروغ دینا۔

یہ طے کیا گیا کہ کچھوا نگران کمیٹی کا اگلا اجلاس ستمبر 2005ء میں (تاریخ بعد میں طے کی جائے گی) ڈبلیو ڈبلیو ایف پاکستان ویٹ لینڈ سینٹر سینڈز پٹ کراچی میں ہوگی۔

یہ بھی طے کیا گیا کہ ابتدائی ماہ کے لیے شہری۔ سی بی ای کمیٹی کے کوآرڈی نیٹر کی حیثیت سے کام کرے گا۔

میٹنگ میں تمام شرکاء نے کمیٹی کی تشکیل میں گلوبل انوائرمنٹ فیسلیٹی اور پاکستان میں یو این ڈی پی آفس (اسمال گرانٹس پروگرام) کے مہیا کردہ تعاون کو سراہا کیونکہ سینڈز پٹ/ ہاکس بے پر کچھوؤں اور ان کی سکونت کے بچاؤ کے لیے شہری معاشرے کی یہ پہلی منظم اور مربوط کوشش ہے۔

جان اسٹین (سی ای او، آئی سی آئی پاکستان) اور نوشین احمد (پبلک افیئرز آفیسر، آئی سی آئی پاکستان) نے بھی مبصر کی حیثیت سے میٹنگ میں شرکت کی۔

فرحان انور (پروجیکٹ کوآرڈی نیٹر۔ کچھوؤں کی بقا میں مددگار) تقریب میں میزبان تھے۔

اراکین کمیٹی

کچھوا نگراں کار کمیٹی کے اراکین درج ذیل ہیں۔

1- نائیلہ احمد
(شہری۔ سی بی ای)

2- فرحان انور
(شہری۔ سی بی ای)

3- ڈاکٹر اعجاز احمد
(ڈبلیو ڈبلیو ایف۔ پاکستان)

4- سید علی حسنین
(ڈبلیو ڈبلیو ایف۔ پاکستان)

5- بابر حسین
(ڈبلیو ڈبلیو ایف۔ پاکستان)

6- عبدالغنی
(صدر فشر فوک ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن)
نمائندہ مقامی کمیونٹی

7- آصف احمد چوہدری
(چیئرمین، ماڈرن موٹرز) مالک ہٹ

8- عقیل مرچنٹ
(فورٹ رہوڈز/ سعادت) مالک ہٹ

صنفی ذی حسی، شہری معاشرہ اور پولیس

شہری سی بی ای کے زیراہتمام صنفی ذی حسی، شہری، معاشرہ اور پولیس کے موضوع پر دو روزہ ورکشاپ کا اہتمام

شہری سیمینار

شہری رپورٹ

ورکشاپ میں مقررین کا کہنا تھا کہ خواتین کے ساتھ امتیاز برتنا اوران کا استحصال کرنا کسی ایک مخصوص علاقے تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ ایک عالمی مسئلہ ہے۔

صنفی ذی حسی شہری معاشرہ اور پولیس کے موضوع پر دوروزہ ورکشاپ کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے کہا کہ معاشرے کی ذہنی سوچ اور رویے میں تبدیلی واقع ہونے پر ہی صورتحال میں بہتری آسکتی ہے۔

انہوں نے زور دیا کہ عورتوں کے ساتھ امتیاز کواسی وقت روکا جاسکتا ہے جب ہرفرد اپنا مناسب اور برمحل کردار ادا کرنا شروع کرے۔ اور جب خواتین کو ہر شعبے میں برابر کے شریک کی حیثیت سے قبول کیا جائے گا۔

مقررین نے توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ 1.3 بلین سے زیادہ لوگ غریب

پولیس کو احساس دلانے کے لیے

پولیس کی مشکلات

- طبعی وفطری ماحول۔
- خارجی دباؤ۔
- کم تنخواہیں۔
- کام کی زیادتی۔
- پیشے کے غیر دلکش اور غیر منصفانہ امکانات۔
- خصوصی مہارت کا نہ ہونا۔
- خبر رسانی کا خلاء۔
- ذرائع ابلاغ، عدالتوں، سیاستدانوں اور معاشرے کی جانب سے آزمائش اور امتحان
- عدالتی (فارنسک) ٹیکنیکس کا فقدان۔

پولیس بہ حیثیت مصلح

- روایتی پولیس آپریشنوں کی ناکامی۔
- جرم ایک سماجی بیماری اور آزار ہے۔
- جرم کے لیے سماجی بدنظمی ذمہ دار ہے۔
- تاریخی پیش منظر۔
- پولیس حالات کو جوں کا توں رکھنے کی عادی ہے۔
- سماجی تبدیلی کے لیے پولیس کو ایک محرک کی حیثیت سے کام کرنا چاہیے۔

تجاویز

- جرم کا شکار افراد کے ساتھ انسانیت اور دردمندی سے پیش آئیں اور ان کی تکلیف کو محسوس کریں۔
- "گاہک کی خدمت" کے رویے کو اپنائیں۔
- فرض منصبی کی پکار پر فوری عمل کریں۔
- شکایت کنندگان کے ساتھ رابطہ رکھیں۔
- انسانی وقار (اپنا اور دوسروں کا) کو برقرار رکھیں۔
- دباؤ سے مغلوب نہ ہوں۔
- مالیاتی، اخلاقی اور عقلی سالمیت و راست بازی کو برقرار رکھیں۔
- اپنی ذاتی صحت، صفائی اور لباس کا خیال رکھیں۔
- ایک دوستانہ مسکراہٹ کا مظاہرہ کریں۔
- لوگوں سے آزادانہ میل جول رکھیں۔

یاد رکھیں

عوام آپ کی نیت اور ارادوں کا سراغ لگا سکتے ہیں

ہیں اور ان میں سے تقریباً 75 فیصد خواتین ہیں۔ مہاجرین کا 75 سے 80 فی صد خواتین اور بچے ہیں۔ عورت کو ایک جیسے کام کا معاوضہ مرد سے کم ملتا ہے۔ مختلف شعبوں میں اعلیٰ عہدوں پر صرف 3 فیصد خواتین فائز ہیں۔ خواتین کو جائیداد کی ملکیت کا صرف ایک فیصد ہی مل پاتا ہے۔ خواتین کے خلاف تشدد سے متعلق اعداد وشمار کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ 'جنوبی پنجاب میں ہر گھنٹے میں ایک عورت کی آبروریزی ہوتی ہے اور ہر چار دن میں ایک عورت کی اجتماعی عصمت دری ہوتی ہے۔

اسی طرح سوئیزرلینڈ میں 20 سے 60 سال کی عمر کے درمیان کی 20 فیصد خواتین ظلم وبدسلوکی کا شکار ہوتی ہیں۔ جنوبی امریکہ میں 10 فیصد خواتین جسمانی تشدد کا نشانہ بنتی ہیں اور کینیڈا میں تمام ہلاک ہونے والی خواتین میں سے 50 فیصد اپنے شوہروں کے ہاتھوں قتل ہوتی ہیں۔

خواتین کے خلاف تشدد کے واقعات ترقی یافتہ ممالک میں بھی ہوتے ہیں تو پھر پاکستان کو کیوں نمایاں اور الگ تھلگ اور تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ شرکاء کے اٹھائے گئے اس سوال کے جواب میں انہوں نے کہا 'فرق صرف اتنا ہے کہ ترقی یافتہ مغربی ممالک میں جب جرم کی اطلاع مل جاتی ہے تو گناہگاروں کی ایک بڑی تعداد گرفتار ہوتی ہے اور انہیں سزا بھی ملتی ہے۔

شہری سے امبر علی بھائی اور خطیب احمد اور اسلام آباد کی ایک این جی او روزن کے بابر بشیر اور زہرہ کمال نے ورکشاپ سے خطاب کیا جس میں 25 سے زیادہ پولیس افسران اور غیرسرکاری تنظیموں کے کارکنوں نے شرکت کی بعد میں شرکاء میں سرٹیفکیٹ بھی تقسیم کیے گئے۔

سیمینار کے شرکاء اور مقررین

ان صفحات پر ہم ایڈووکیسی کے اپنے کام کی نشاندھی کرتے ھیں اور عوامی فلاح و بہبود کو یقینی بنانے کے لیے شہریوں کی بھرپور شرکت کے متمنی ھیں

کے بی سی اے اور روشن خیال میانہ روی

شہری ایڈووکیسی

شہری رپورٹ

جناب عمر آر قریشی کے تبصرے (ڈان بتاریخ 10 ستمبر 2005ء) نے ہمارے منہ کی بات چھین لی۔ کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی (کے بی سی اے) اپنی سمت کھو چکی ہے اور اب تو حالات کچھ زیادہ ہی خراب ہو چکے ہیں۔ موجودہ چیف کنٹرولر آف بلڈنگ (سی سی او بی) کے بی سی اے کو اپنی ذاتی جاگیر سمجھتے ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ایک ایماندار اور قابل شخص کو شہر کے اس اہم شعبے کا سربراہ مقرر کیا جائے۔ دراصل کے بی سی اے ہی ہے جو اپنی حدود کے تحت آنے والے شہر کے حصوں کو گنجان آباد اور غیر معیاری تاریک بستیوں میں تبدیل کرنے کا ذمہ دار ہے۔ بدقسمتی سے یہی علاقہ شہر کا دل ہے۔ شاہراہ فیصل کے ساتھ ساتھ 26 کے لگ بھگ عمارات بلڈنگ قوانین اور لیز کی شرائط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے تعمیر ہوئی ہیں۔ ان عمارات کے خلاف شہری کی آئینی درخواست نمبر سی پی 627/2000 ابھی تک سندھ ہائی کورٹ میں زیر سماعت ہے۔ نتیجہ سارے شہر کے سامنے ہے۔ خلاف ورزیوں اور ان کے نتیجے کی ایک مثال حاضر ہے۔

لیز کی خلاف ورزی

ضرورت سے زیادہ تعمیر کی اجازت دے کر زمین اور علاقے پر بوجھ ڈالا گیا۔ جبکہ وہ علاقہ اس بوجھ کو اٹھانے کے لیے ڈیزائن نہیں کیا گیا تھا۔

بلڈنگ قوانین کی خلاف ورزی

- پارکنگ کے لیے مناسب جگہ کا نہ ہوگا۔
- کسی سب اسٹیشن کی سہولت کا نہ ہونا۔
- بجلی کا زیادہ دباؤ۔ بڑے دفاتر فٹ پاتھ اور سڑکوں پر بڑے بڑے جنریٹر رکھتے ہیں۔ فیصل بینک کے جنریٹرز۔
- آگ بجھانے کی گاڑی کی رسائی کا نہ ہونا۔ لوگوں کے انخلا کے لیے کسی دوسرے راستے کا نہ ہونا۔
- گھروں میں ریستوران، ویئرہاؤسنگ، کپڑوں کی سلائی کی چھوٹی فیکٹریوں، بینک، منی چینجرز جیسی کاروباری سرگرمیوں کی اجازت دینا جو غیر قانونی ہیں (پڑھیئے سلامتی کے خطرات)۔

تیز رفتار جنس تجارت

ان عوامل نے پی ای سی ایچ ایس بلاک 6 اور کے اے ای سی ایچ ایس کے علاقوں کو گنجان آباد غلیظ بستیوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ ٹریفک پولیس کے مطابق ہر روز تقریباً 5000 گاڑیاں اس علاقے میں عمارات کے پیچھے صرف بچوں کو اسکول چھوڑنے اور لینے کے لیے داخل ہوتی ہیں۔ ان میں دفتر کی گاڑیاں، وین اور ٹرک شامل نہیں ہیں۔ اگر کے بی سی اے لیز اور عمارات کی خلاف ورزیوں میں فریق نہ ہوتا تو یہاں صورتحال اتنی گڈمڈ اور ابتر نہ ہوتی۔ شہر ابتر ہو چکا ہے اور چند لوگ امیر سے امیر ترین ہو گئے ہیں۔ کے بی اے کی تمام حدود عملداری میں یہی صورتحال ہے۔ شہری اور اس کے اراکین عام طور پر تعمیر ہونے والی بلند و بالا عمارات، تجارتی اور کاروباری عمارتوں اور فلیٹوں کے خلاف نہیں ہیں۔ ہم صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ لیز اور قانون کے مطابق تعمیرات کریں یا ماسٹر پلان پر عملدرآمد کریں اور ضروری بنیادی ڈھانچے فراہم کریں۔ کے بی سی اے اپنے فرائض ادا کرے۔ قانون کی سربلندی کریں۔ ہمارے شہر کو بچانے کے لیے شہری کے ساتھ ہاتھ ملایئے۔

اسٹار سینما کاروباری مرکز میں تبدیل

(پلاٹ نمبر 30/پی آر۔2، پریڈی کوارٹرز، گارڈن روڈ)

کراچی تعمیر و شہری منصوبہ بندی قوانین و ضوابط 2002ء (اور 1979ء) کے تحت سینما پلاٹ عوامی بہبود کے لیے ہیں۔ اس قسم کے ایمنٹی پلاٹوں کو کاروباری اور تجارتی مقاصد کے استعمال کے لیے تبدیل کرنا قانون کی خلاف ورزی ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کراچی کے ایس بی سی او/کے بی سی اے اسٹار سینما میں ایک کاروباری اور تجارتی مارکیٹ کی اجازت دینے کے عمل میں ہے۔ برائے مہربانی کیا اس خلاف ورزی کو روکا جا سکتا ہے؟

یہ خلاف ورزی اپنی جگہ موجود ہے لیکن دیگر مسائل بھی ہیں کسی موجودہ عمارت کے استعمال کی تبدیلی کے بعد نئے استعمال کے لیے مناسب پارکنگ کی جگہ کی ضرورت ہے۔ کے بی ٹی پی آر 2002ء کے تحت ایک تفصیلی پارکنگ نقشے کے مطابق ہر 800 مربع فٹ خوردہ خریداری علاقے کے لیے ایک کار کی پارکنگ کی جگہ فراہم کی جانی چاہیے۔

مذکورہ منصوبے میں یہ قطعی نہیں دکھائی دیتا کہ کار پارکنگ کی ضروری گنجائش مہیا کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ قوانین کے مطابق شاید کے ای ایس سی سب اسٹیشن اور لفٹ کی ضرورت پڑے گی۔

(عبداللہ ہارون روڈ اور ڈیپو روڈ پر پھیلی ہوئی موجودہ الیکٹرانک مارکیٹ بھی پارکنگ اور سامان چڑھانے اور اتارنے کی جگہوں سے عاری ہے جس کے باعث دن بھر ٹریفک کی بھیڑ رہتی ہے شور اور فضائی آلودگی الگ پیدا ہوتی ہے۔ گاڑی کو یہاں پارک کرنا محال ہے۔ اسٹار سینما کا تجارتی منصوبہ صورتحال کو مزید ابتر اور برباد کر دے گا۔ ❀❀❀

صنعتی/تجارتی

پلاٹ نمبر 29، فیز II (1.5 ایکڑ) کے 28، ا ٹرانس لیاری کوارٹرز، ہاکس بے روڈ، کراچی۔

روزنامہ ڈان بتاریخ 9 ستمبر 2005ء میں مندرجہ بالا پلاٹوں کی خرید و فروخت سے متعلق ایک اشتہار شائع ہوا تھا۔ ہم اس خرید/فروخت پر اعتراض کرتے ہیں کیونکہ ہاکس بے روڈ کے ساتھ کے۔28 اسکیم کا فیز II، ہاکس بے اسکیم (کے ڈی اے کی اسکیم 42) میں سے غیر قانونی طور پر نکالا گیا ہے۔

کے ڈی اے ہاکس بے اسکیم کا اعلان 1984ء میں ہوا تھا اور ہاکس بے روڈ کے ساتھ واقع پلاٹ بھی اس میں شامل تھے۔ سندھ محکمہ مال گزاری نے اسکیم نمبر 42 میں اپنی حدود میں واقع تمام اراضی کمشنر کراچی کے حکم پر 1985ء میں کے ڈی اے کو منتقل کردی تھی۔ ایک دفعہ جب محکمہ مال گزاری سندھ (بورڈ آف ریونیو) نے تمام اراضی کے ڈی اے کو منتقل کردی تو کے ڈی اے نے تمام پلاٹوں کا نقشہ تیار کیا۔ اس نقشے کی بنیاد پر پلاٹوں کی قرعہ اندازی کی گئی۔

ایک عرصے کے بعد اب محکمہ سندھ مال گزاری (SBOR) ہاکس بے روڈ کے دونوں اطراف کی زمین کو اپنی اسکیم بنانے کے لیے نہیں لے سکتا (مثلاً کے۔28 کا فیز II، اس کا مطلب کے۔28 کا مکمل فیز II ہے) چنانچہ ہاکس بے روڈ کے دونوں اطراف کی زمین کو لینے کا عمل غیر قانونی ہے اور اس کے پلاٹ فروخت نہیں کیے جا سکتے۔

شہری نے سندھ ہائی کورٹ میں مقدمہ سی پی 2003/1277 دائر کیا ہے اور معزز عدالت نے ایک حکم امتناعی جاری کرتے ہوئے مذکورہ علاقے میں تیسرے فریق کی دلچسپی (جس میں خرید و فروخت شامل ہیں) پیدا کرنے سے روکا گیا۔ ❀❀❀

پی ای سی ایچ ایس بلاک 2 میں خالد بن ولید روڈ اور سر سید روڈ کے چوراہے پر واقع پلاٹ نمبر 150۔ ایس پر پمپنگ اسٹیشن

آج کل پلاٹ نمبر 150۔ ایس ایک گودام کی حیثیت سے غیر قانونی طور پر استعمال ہو رہا ہے۔ گوداموں کے نظم و ضبط سے متعلق قانون ذیل کے مطابق ہے۔

کراچی بلڈنگ اینڈ ٹاؤن پلاننگ: قواعد و ضوابط 2002 (سیکشن 9-11)

9-11 ایک رہائشی عمارت میں ایک اسٹور کے سوا کوئی گودام مہیا نہیں ہوگا۔

9-11.2 ذخیرہ کرنے کے مقاصد کے لیے گودام/ویئر ہاؤسز ڈیزائن۔ انتخاب یا استعمال کیے جائیں۔

9-11.3 ہر ویئر ہاؤس اور گودام میں مالک ایک مناسب جگہ پر نمایاں اور واضح نوٹس لگائے جس کے نقش ابھرے ہوئے کندہ ہوں۔ یہ نوٹس دھات، پلاسٹک یا اس جیسے مستقل میٹریل کا ہونا چاہیے اور اس میں یہ درج ہونا چاہیے کہ منزل کتنا وزن سہار سکتی ہے۔ تحریر کے الفاظ کم سے کم ایک انچ (25 ملی میٹر) چوڑے اور 3 انچ (75 ملی میٹر) اونچے ہونے چاہئیں۔ اگر گودام میں رکھا گیا مواد دھماکہ خیز یا آتش گیر ہے تو متعلقہ حکام سے پہلے اجازت حاصل کرنی ہوگی۔

پورے علاقے کو اس پمپنگ اسٹیشن سے پانی سپلائی کیا جاتا ہے۔ ہم بہت زیادہ تشویش میں مبتلا ہیں کہ اس جگہ کوئی کیمیاوی یا کوئی دوسرا خطرناک مواد یا اشیاء ذخیرہ نہ کی گئی ہوں جو پانی کی سپلائی میں نکاسی کے نظام یا رساؤ کے ذریعے پانی کی سپلائی میں شامل ہو سکتی ہیں۔ پانی اور نکاسی آب کے پائپ 1958 سے تبدیل نہیں کیے گئے ہیں۔ علاقے میں کار شوروم پہلے ہی سے کام کر رہے ہیں جو موبل آئل اور دیگر کیمیکل نکاسی آب کے نظام میں پھینک دیتے ہیں جو مستقل طور پر بند رہتا ہے۔ برائے مہربانی اس کا حل بہت زیادہ ضروری ہے۔ ❀❀❀

پرانی سبزی منڈی پر واقع عسکری پارک، آرمی انجینئروں کا شکریہ

کراچی کے شہریوں کی جانب سے ایک اچھے کام کے لیے ہمارا شکریہ اور تعریف قبول کیجیے۔ پرانی سبزی منڈی کو ایک خوبصورت کشادہ جگہ میں تبدیلی ایک بہت ہی قابل تعریف عمل ہے یہ کام آپ کے ادارے کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا تھا جو منصوبہ بندی اور فیصلہ سازی میں ابتدا ہی سے شریک تھا۔ آپ نے علاقے کے لیے نئے پھیپھڑے تخلیق کیے ہیں۔

کیا ہم یہ مشورہ دے سکتے ہیں کہ برائے مہربانی ٹرانس لیاری میں واقع گٹر باغیچہ نامی ایک اور کھلی جگہ کو بچائیے۔ یہ ایک کشادہ پارک ہے اور شہری دیگر شہریوں اور علاقے کے رہائش پذیر افراد کے ساتھ اسے قابضین اور فروخت ہونے سے بچانے اور محفوظ رکھنے کے لیے جنگ کر رہا ہے۔

سوسائٹیوں کی بدعنوانیاں

پی ای سی ایچ ایس کی داستان

سوسائٹیوں بشمول پی ای سی ایچ کے لیے اصل ترقیاتی اسکیم کا آغاز 50ء کے عشرے کی ابتدا میں ہوا اور ایک مخصوص وقت اور مخصوص مقصد مثلاً اصل ترقیاتی اسکیم کا نفاذ اور منسٹری آف ورکس کے منظور شدہ ماسٹر پلان کے مطابق ترقی دینے کے لیے سوسائٹیوں کو ایک لائسنس جاری کیا گیا اس لائسنس کی مدت 31 مارچ 1974ء کو ختم ہوگئی جس کی تجدید آج تک نہیں ہوئی۔

سوسائٹیوں کی اسکیمیں رہائشی مقصد کے لیے کم گنجان آباد علاقوں کے لیے بنائی گئی تھیں۔ سوسائٹیوں کے مختلف حصوں کے لیے ایک پُرامن ماحول وافر سہولتیں اور سڑکوں کی دستیابی کو یقینی بنایا گیا۔ شہری منصوبے کے بنیادی اصول پر عملدرآمد کیا گیا جو رہائشی علاقے کی متوازن منصوبہ بندی کے ساتھ اچھی شہری زندگی کے لیے ضروری دیگر سہولتوں مثلاً پارک، اسکول، کالج، اسپتال، کاروباری اور تجارتی علاقے، سینما اور سڑکیں مہیا کرتی ہے۔ درحقیقت سوسائٹیاں کم آبادی والے علاقوں کے لیے تھیں اور ان کی منصوبہ بندی مساوی سہولتوں کے مطابق کی گئی تھی۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ سوسائٹیوں کے لیے شہری منصوبے کے بنیادی تصور کے برخلاف کام ہو رہا ہے۔ مثلاً پی ای سی ایچ ایس اور دیگر سوسائٹیوں کا ایک بڑا حصہ تجارتی اور دیگر غیر قانونی مقاصد کے لیے دے دیا گیا اور علاقے کے رہائشی پلاٹوں کے استعمال کو عبوری اور غیر قانونی طور پر تبدیل کیا گیا۔ اس طرح کم گنجان آباد بڑے اور منصوبہ بندی کے تحت آباد ہونے والے علاقے کو شدید گنجان آباد علاقے میں تبدیل کر دیا گیا جس نے بڑی حد تک سوسائٹیوں کے چہار اطراف کے ماحول کو تباہ و برباد کر دیا۔

اس کے نتیجے میں نہ صرف ماحولیات (آئین کے آرٹیکل 9 کی خلاف ورزی) اور سکون (آئین کے آرٹیکل 14 کی خلاف ورزی) میں خلل پیدا ہوا بلکہ علاقے کے رہائش پذیر افراد کے جائیداد کے حقوق بھی بری طرح متاثر ہوئے۔ جنہوں نے ایک نقشے کے مطابق رہائشی علاقے میں اپنی جمع پونجی کو گھر بنانے میں صرف کیا تھا۔ ان کی ہرگز یہ خواہش نہیں ہے کہ ان کی جائیداد کو تجارتی مقاصد کے لیے تبدیل کیا جائے یا دہ سوسائٹی کی اصل ترقیاتی اسکیم کو تباہ و برباد ہوتے دیکھیں۔ (آئین کا آرٹیکل 24) ان کی لیز کی حفاظت کون کرے گا؟

بدقسمتی یہ ہے کہ سی ڈی جی کے کا اس تنزلی میں بہت بڑا حصہ ہے۔ وہ کنورژن چارجز کے نام پر بڑی رقم وصول کرتی ہے، لیکن درحقیقت انہیں عمارتوں کی تعمیر میں لاقانونیت سے چشم پوشی برتنے کے لیے یہ ادائیگی ہوتی ہے۔ مثلاً سڑکوں کے تجارتی اور کاروباری استعمال کی اسکیم جس کے ذریعے سی ڈی جی کے نے چھ سڑکوں کو کمرشل قرار دیا جس میں بہادر آباد چورنگی سے شاہراہ فیصل، خالد بن ولید روڈ (پی ای سی ایچ ایس)، جمال الدین افغانی روڈ، علامہ اقبال روڈ (پی ای سی ایچ ایس)، سر سید روڈ (پی ای سی ایچ ایس) اور شہید ملت روڈ شامل ہیں۔ یہاں پلاٹ کمرشل نہیں ہیں اور سی ڈی جی کے اور مختلف سوسائٹیوں کے افسران کنورژن چارجز وصول کر رہے ہیں۔ یہ بدعنوان اسکیم نقائص سے بھرپور ہے کیونکہ ان کمرشل سڑکوں کی پشت پر واقع پلاٹوں کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا اور ان پلاٹوں کے مالکان مصیبت اور پریشانی جھیل رہے ہیں کیونکہ ان کے گھر کے عقب میں ایک آٹھ منزلہ عمارت کھڑی ہو جاتی ہے۔

محکمے نے اچھی خاصی رقم وصول کی ہے اور ہم یہ بات یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اسے سہولتوں کی بہتری کے لیے ہرگز استعمال نہیں کیا گیا بلکہ نجی تجوریاں بھر گئی ہیں۔ یہ اخلاقی طور پر بھی غلط ہے کیونکہ بلڈرز نے زمین کے استعمال کی تبدیلی کے اخراجات بھی سادہ لوح خریداروں کو منتقل کر دیئے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ ہاؤسنگ اینڈ ورکس کی وزارت اس تمام عرصے میں تغافل برت رہی تھی جب سوسائٹیوں کو تباہ و برباد کیا جا رہا تھا/ ہے۔ خوش قسمتی سے صورتحال اتنی بھی خراب نہیں ہے کہ تلافی نہ ہوسکے اب حکومت پاکستان ہی صورتحال کو بچاسکتی ہے۔

اب وقت آگیا ہے کہ ہاؤسنگ اینڈ ورکس کی وزارت اپنی حاکمیت نافذ کرے اور اصل اسکیموں کا جو کچھ بچا ہے اسے محفوظ کرے۔ سوسائٹیوں کے نمائندہ اراکین کو لائسنس جاری کیا گیا۔ تھا انہوں نے ترقیاتی اسکیموں کی تباہی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ چنانچہ انہیں ترقیاتی اسکیموں کا انچارج بنے رہنے کی اجازت نہیں ملنی چاہیے اور لائسنس جو پہلے ہی 1974ء میں اپنی مدت ختم کر چکا ہے اس کی تجدید نہیں ہونی چاہیے۔ سوسائٹیوں کے لیے محرکاتی عنصر ہمیشہ پیسہ رہا ہے۔ چاہے وہ یہ پیسہ کسی بھی ذریعے سے پیدا کریں۔ ان کی اس حرص نے ان شہریوں کی آوازوں کو پامال کیا ہے جو اپنے گرد و پیش کو بے سمت اور بے اصول منافع بخش سرگرمیوں (کمرشلائزیشن) سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے کمرشلائزیشن کی مد میں جو غیر قانونی رقم بنائی اسے علاقے کی ترقی پر خرچ نہیں کیا بلکہ اس سے صرف اپنی نجی تجوریاں بھریں۔ سوسائٹیوں کا مکمل شفاف آڈٹ۔ حساب کتاب کی جانچ پڑتال کرنے والے کسی آزاد ادارے سے کرانا چاہیے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ 1974ء سے اب تک کمرشلائزیشن/ آمیزش/ ضمنی تقسیم اور دیگر مدوں میں حاصل کیے گئے فنڈ کہاں خرچ کیے گئے۔

اس کے علاوہ مزید تنزلی اور خرابی سے بچاؤ کے لیے حفظ ماتقدم کے طور پر یہ ضروری تقاضا کیا جاتا ہے کہ دفتری امور کو چلانے میں مالکان/ رہائش پذیر افراد کی اور مزید شرکت ہو۔ کیونکہ اس وقت سوسائٹیاں غیر شفاف انداز میں کام کر رہی ہیں اور علاقے کے لوگوں کی اطلاعات تک رسائی نہیں ہے۔

حکومت پاکستان ہاؤسنگ اینڈ ورکس کی وزارت کے ذریعے کراچی کی تباہی کو روکنے کے اختیارات رکھتی ہے۔ کم از کم حکومت پاکستان کی ملکیت اراضی کو تو بچایا ہی جاسکتا ہے۔ وہ یہ کام ان پلاٹوں کی لیز کو منسوخ کرنے کی دھمکی دے کر کرسکتی ہے جن پر غیر قانونی تعمیر ہوئی ہے۔ مذکورہ لائسنس کے معاہدے اور معیاری لیز دستاویز کی متعلقہ شرائط کو منسوخ کیا جاسکتا ہے جو حکومت پاکستان کو اختیار دیتی ہیں کہ سوسائٹیوں ترقیاتی اسکیموں اور تعمیری قواعد وضوابط میں خلاف ورزیاں پائی گئی ہیں تو وہ پلاٹ کو منسوخ کر کے زمین واپس لے سکتی ہے۔ یہ دھمکی پلاٹوں کو رہائشی استعمال سے کسی اور مقصد کے لیے تبدیلی کو نہ صرف روکے گی بلکہ عمارات کی عبوری تعمیر کو مدنظر رکھتے ہوئے سوسائٹیوں کی ترقیاتی اسکیموں کی دوبارہ منصوبہ بندی کرنے کے ساتھ ساتھ سڑکوں اور بلدیاتی خدمات سمیت سہولتوں کی فراہمی کو بھی یقینی بنائے گی۔

❀❀❀

پاکستان کے شمالی علاقوں میں حالیہ زلزلے کی تباہ کاریوں سے نمٹنے کے لیے ہماری نااہلی سامنے آئی ہے۔ ذیل میں اس صورتحال میں انتظامی منصوبے کے بارے میں تجاویز پیش کی جارہی ہیں جن پر فوری عمل کی گزارش ہے

پاکستان میں قومی سانحے کے نظم ونسق کا منصوبہ

نقصانات کے فوری تعین کے نظام کو ہر شہر اور قصبے میں موجود ہونا چاہیے

قومی سانحہ

نعیم صادق

سانحے کے ایک انتظامی سسٹم میں مربوط اور مسلسل منصوبہ بندی کثیرالاحلقہ واری۔ کثیرالانضباطی و تادیبی عمل اور ایسے اقدامات کا نفاذ شامل ہوتا ہے جن کا مقصد ادراک، خطرات کا اندازہ لگانے اور شدت کو کم کرنے۔ تیاری۔ ردعمل اور قدرتی یا انسان کے پیدا کردہ سانحات سے نجات اور بحالی ہے۔

حادثے کا انتظامی سسٹم سات اہم اجزا پر مشتمل ہوتا ہے۔

- ریاست اور شہری معاشرہ۔
- حادثے کا ایک انتظامی ادارہ۔
- حادثے کی شدت میں کمی اور تدارک۔
- خطرات اور کمزوریوں کا اندازہ۔
- منصوبہ بندی اور تیاری۔
- ردِعمل۔خطرات سے آزادی اور مدد۔
- نجات۔آبادکاری اور بحالی۔

ذمہ دار ریاست اور شہری معاشرہ

حادثے کے انتظام کا گہرا تعلق اس امر سے ہے کہ ایک ریاست اپنے عام شہریوں سے اپنے تعلقات کا ادراک کس طرح کرتی ہے؟ کیا وہ عام حالات میں ان کی جان و مال اور آزادی کا تحفظ کرتی ہے۔ کیا وہ ان سے مساوات اور انصاف پسندی سے پیش آتی ہے؟ کیا وہ ان کے معیار زندگی کو بہتر بنانے کے لیے کام کرتی ہے؟ ایک ریاست جو عام حالات میں اپنے شہریوں کی اچھی دیکھ بھال نہیں کرتی تو بحران کے وقت اس سے مختلف رویۓ کی توقع نہیں رکھی جاسکتی۔

انتظامی ادارہ برائے سانحات

اس وقت سب سے زیادہ ضروری سانحات کے انتظام کے لیے ایک مستقل قومی ادارے کا قیام ہے جو پاکستان میں حادثات کے انتظامی سسٹم کو قائم اور نافذ کرے۔ اسے برقرار رکھے اور بہتر بنائے۔ اسے لازمی طور پر ایک شہری ادارہ ہونا چاہیے جسے صوبائی، شہری، قصبے اور کمیونٹی کی سطح پر اس جیسی دیگر تنظیموں کا تعاون حاصل ہو۔

سانحات سے نمٹنے میں مقامی لوگ ایک نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ انہیں علاقے کے طبعی حالات اور خصوصیات اور ذرائع کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ عام طور پر انہیں سانحے کا علم سب سے پہلے ہوتا ہے اور جائے وقوع پر سب سے پہلے پہنچنے والے بھی یہی لوگ ہوتے ہیں۔ (مرگلہ ٹاورز پر لوگوں کے ہجوم کو یاد کیجیے) محلے، گاؤں اور مقامی سطح پر کمیونٹی ایمرجنسی ریلیف ٹیموں (سی آئی آر ٹی) کو منظم کرنا بہت ضروری ہے۔

> **سانحے کے انتظام کا گہرا تعلق اس امر سے ہے کہ ریاست عام شہریوں سے اپنے تعلقات کا ادراک کس طرح کرتی ہے**

ہر سطح (قومی، صوبائی، شہری اور قصبے) پر بہترین مہارت اور بہترین تربیت یافتہ افراد پر مشتمل ایک چھوٹے بنیادی گروپ کی تخلیق میں ہی کامیابی کا راز ہے۔ یہ بنیادی گروپ ایک مرکز کی حیثیت سے کام کرے گا۔ وقت آنے پر ایک مربوط حادثے کے انتظامی سسٹم کی تخلیق کرنے کے لیے بہت سی دیگر تنظیموں کو ملوث کرے گا اور انہیں تربیت دے گا۔

ایک حادثے کی منصوبہ بندی اور ردِعمل کے نیٹ ورک کے دقیقہ شناس جز مندرجہ دیگر تنظیمیں فائر ڈپارٹمنٹس، پولیس، ایمبولینس، ٹیلی فون کمپنیاں، محکمہ صحت، ڈپارٹمنٹ اور اسپتال، کارمند کمپنیاں، محکمہ موسمیات، آب پاشی، خوراک اور شعبہ زراعت، مسلح افواج کوسٹ گارڈز اور رینجرز، سپارکو، نیوکلیئر ریگولیٹری باڈی، ایئرپورٹ، ریلوے اور بندرگاہ کے ادارے، ادارہ تحفظ ماحولیات، بلدیاتی ادارے، جنگلات اور

مواصلاتی ادارے، بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی، واٹر مینجمنٹ اتھارٹی، عوامی نمائندے، رضاکار تنظیمیں، صنعتوں کے نمائندے، غیر سرکاری تنظیمیں اور کمیونٹی کے نمائندے ہیں۔

پاکستان میں موجودہ قوانین (قومی آفات ناگہانی ایکٹ 1958ء ایمرجنسی آرڈی نینس 2002ء اور لوکل گورنمنٹ آرڈی نینس 2001ء) اس مضمون میں بیان کردہ ایک مربوط قومی سانحے کے انتظامی سسٹم کی گنجائش کو تحفظ دینے کے لیے کلی طور پر ناکام اور فرسودہ ہیں۔ اس لیے ان کا تبدیل ہونا بہت ضروری ہے۔ نئے قانون کو (قومی اور صوبائی سطح پر) پارلیمنٹ سے پاس کرایا جائے۔ جس کے تحت پاکستان کے ہر شہری کے لیے قومی سانحات کے انتظامی ادارے کے قیام اس کی صوبائی شہری، قصبے اور کمیونٹی کی آفات کی انتظامی تنظیمیں اور شدت سے کمی سے متعلق ان کے کام، منصوبہ بندی، تیاری، ردعمل اور بحالی مہیا ہوں۔

نیٹ ورک میں شامل اداروں کو قانونی انتظامی ادارہ برائے قومی سانحات (این ڈی ایم اے) کے وضع کردہ سانحات کے انتظامی امور کی تعمیل کرنی ہوگی۔

خطرے اور ضرر پذیر ہونے کا تجزیہ

ہر شہر، قصبے کے مقامی کو مختلف قسم کے خطرات کا سامنا ہوتا ہے، جس کا انحصار اس کے مقام، آبادی، عمارات، جغرافیائی خصوصیات، آب و ہوا اور بہت سے دیگر عوامل پر ہے۔ چنانچہ خطرات کے انتظامی ادارے کے لیے سب سے پہلے خطرے کی نشاندہی اور غیر محفوظ ہونے کا اندازہ لگانے کی مشق کرنی چاہیے تاکہ ہر مقام کے مخصوص خطرات کا تعین کیا جاسکے۔

خطرے کے تجزیئے میں پہلا مرحلہ ان خطرات کی اقسام کی نشاندہی ہے جو زیر مطالعہ مقام میں موجود ہوں۔ یہ واقعات اچانک بتدریج فضائی، زلزلائی، ارضیاتی، آتش فشانی، حیاتیاتی اور آبی نوعیت کے ہوسکتے ہیں۔ مناسب ہے کہ ہر شہر، قصبے یا کمیونٹی کو درپیش ممکنہ خصوصی خطرات کی فہرست بنالی جائے جس کے سبب سانحہ ظہور پذیر ہوسکتا ہے۔

> **اس وقت سب سے زیادہ ضروری سانحات کے انتظام کے لیے ایک مستقل قومی ادارے کا قیام ہے جو پاکستان میں حادثات کے انتظامی سسٹم کو قائم اور نافذ کرے، اسے برقرار رکھے اور بہتر بنائے، اسے لازمی طور پر ایک شہری ادارہ ہونا چاہیے جسے صوبائی، شہری، قصبے اور کمیونٹی کی سطح پر اس جیسی دیگر تنظیموں کا تعاون حاصل ہو**

ممکنہ اشد خطرات کی فہرست میں سیلاب، زلزلے، مٹی کے تودوں کا گرنا، سمندری طوفان، وبائیں، جنگل کی آگ، بارش، سڑک، ریل اور ہوائی حادثے، گیس کا خطرناک نکاس، پُرخطر مواد کا دھماکہ (مثلاً گولہ بارود کے ڈھیر)، خشک و قحط سالی، آتش فشاں کا پھٹنا ہوا اور برفانی طوفان، نیوکلیئر نکاس یا حادثے، بڑے صنعتی حادثے وغیرہ شامل ہیں۔

خطرے کے تجزیئے کا دوسرا مرحلہ کسی خاص مقام، خصوصی وقت پر ایک غیر محفوظ آبادی اور ان کی زندگی کی غیر محفوظ بنیاد کے لیے، ایک مخصوص شدت اور مدت کے پُرخطر سخت حادثے کے واقع ہونے کے امکانات کو بیان کرنے اور اندازہ لگانے کا ہے۔

اگلا قدم ضرر پذیر ہونے کا تجزیہ کرنے کے بارے میں ہے۔ ضرر پذیر ہونا ایک نظام (یا عنصر) کی ایسی استعداد ہے جو خطرناک قدرتی واقعات کے اثرات کو جذب یا بے اثر کرتی ہے۔ ان سے گریز کرتی ہے یا ان کا مقابلہ اور سامنا کرتی ہے۔ لوگوں کے ایک گروہ یا علاقے کا ضرر پذیر ہونا سماجی اور ثقافتی عمل، سیاسی اور ماحولیاتی عوامل کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ جنہیں الگ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ عوامل ایک معاشرے کو مزید ضرر پذیر بناتے ہیں۔ ان میں حادثوں اور آفات سے بچاؤ بدعنوانی، جنگلات کی صفائی اور شہری معاشرے کی عدم شرکت جیسے عوامل بھی شامل ہیں۔

سیلائٹ یا فضائی فوٹوگرافی۔ حساس آلات، جغرافیائی اطلاعاتی نظام اور حادثے کی تیاری کے نقشوں کی ضرورت ہے جو ہر مقام کے لیے ہو اور ہر قسم کے خطرے یا سانحے سے متعلق اطلاعات فراہم کرسکے۔

سانحات کی شدت میں کمی اور تدارک

سانحے کے واقع ہونے سے پہلے ان کی شدت میں کمی کی کارروائی کی جاسکتی ہے اور جب کوئی سانحے کی نشاندہی ہو جائے اور خطرات کا اندازہ لگالیا جائے تو اگلے اقدامات ان کی شدت میں کمی کے لیے اٹھائے جاتے ہیں۔ شدت میں کمی کا مقصد سانحے سے منسلک خطرات کے طویل المدت اثرات کو ختم کرنا یا کم کرنا ہوتا ہے۔ عام طور پر ایک شدید خطرناک سانحے کی صورتحال سے بہت پہلے اقدامات اٹھائے جاتے ہیں۔ شدت میں کمی کا معاملہ صرف تیاری ہی نہیں ہے اس سے بڑھ کر بہت کچھ ہے۔

اس میں خطرات کی نقشہ سازی، نقصان کے خلاف بنیادی ڈھانچے کو بہتر بنانا [illegible] تقویت دینا، پشتہ بندی، سیلابی دیواریں ڈیم اور سیلابی راستے، ارضی پیناں، سانحے کی پیش گوئی، خطرے کا اطلاعاتی نظام، عمارات کی سلامتی کے قوانین کا نفاذ، ہنگامی پناہ گاہیں، ہنگامی غذا اور دیگر سامان کا ذخیرہ ہنگامی ذخیرۂ آب، امدادی تربیت یافتہ ٹیمیں انخلاء کے متبادل راستوں کی تخلیق اور عوامی شعور کے پروگرام شامل ہوسکتے ہیں۔

منصوبہ بندی اور تیاری

منصوبہ بندی اور تیاری، پالیسی [illegible] طریقہ کار مہیا کرتی ہے کہ ہر شہر، قصبے اور کمیونٹی میں ہر جز (شدت میں کمی، ہنگامی تیاری، سانحے کا ادراک اور مستقبل میں بحالی) کا کس طرح انتظام کیا جاسکتا ہے۔

کچھ موضوعات اور مسائل کی مثالیں جن میں منصوبہ بندی اور تیاری کی ضرورت ہوسکتی ہے درج ذیل ہیں۔

الف: ضروریات اور نقصان کے اندازوں کی رپورٹوں کے تیز رفتار حصول کے لیے لائحہ عمل اور تربیت۔

ب: مناسب عملہ اور آگ بجھانے والے آلات اور مناسب عملے سے لیس فائر اسٹیشن قائم ہوں۔ پہلی اطلاع کے بعد ان کی آمد کے وقت کو مانیٹر کریں۔ کوشش ہونی چاہیے کہ شہر کے تمام حصوں میں قائم قریبی فائر اسٹیشن سے جائے وقوع تک پہنچنے کا وقت پانچ منٹ (یا اس سے بھی کم) ہو۔

پ: لائحہ عمل بنائیں، خوراک، دواؤں، پاور جنریٹر، سانس لینے کے آلات، کیمیائی اور حرارت افشانی کا پتہ لگانے والے آلات، حرکت پذیر تلاش کرنے اور بچانے والے

آلات، حفاظتی ہنگامی لباس، آگ بجھانے والے آلات امداد و بحالی کے مراحل کے لیے ہنگامی امدادی رسد اور آلات کا ہنگامی ذخیرہ رکھیں۔

اسپتال کی تیاری اور طبی دیکھ بھال کا لائحہ عمل۔

ملبے کو ہٹانے، پناہ گاہوں کی فراہمی، عارضی مکانات، خدمات کی بحالی، عارضی کاروبار کا آغاز اور نئے مکانات (عارضی اور مستقل مکانات) کی تعمیر کا لائحہ عمل۔

اراضی پٹیوں، جائیداد کی ترقی، عمارات کی تعمیر اور جنگلات کی کٹائی سے متعلق قوانین کا نفاذ۔

سلامتی و تحفظ، فائر الارم، باہر نکلنے کے ہنگامی راستے گاڑیوں کے لیے رکاوٹوں سے پاک گیس کو بند کرنے والے والوز اور عمارات سے انخلاء کے لیے مستقل احتیاجات۔

سیلابی پانی کی ناکافی نکاسی کے باعث مقامی سیلابی طغیانی کو کم کرنے کے لیے سیلابی نالوں کے نظام کو تقویت دینا، اسے بہتر بنانا اور صفائی کرنا۔

عملے، شہریوں اور رضاکاروں کی تربیت کا لائحہ عمل اور فراہمی یقینی بنائی جائے تاکہ ہنگامی مستعدی، ردعمل اور بحالی کی حکمت عملی، آگ بجھانے، خطرات کی نشاندہی، خطرات کا اندازہ، مختلف اقسام کے سانحات کے انتظام، سانحات کے لیے تیاری، نقصانات کے تعین، عوامی صحت، ابتدائی طبی امداد اور دہشت کے تدارک جیسے معاملات اور مسائل سے نمٹا جاسکے۔

تمام متعلقہ افراد کو ہنگامی تیاری اور منصوبہ بندی کی اطلاعات فراہم کرنے کے لیے ویب سائٹ، اخبارات، اشتہاری کتابچوں، ریڈیو لائبریریوں اور اسکولوں کا مناسب استعمال کیا جائے۔

لائحہ عمل

کسی سانحے کے بعد نقصانات کا فوری تعین سب سے اہم کام ہے۔

نقصانات کے فوری تعین کرنے کے نظام کو ہر شہر اور قصبے میں پہلے سے موجود ہونا چاہیے تاکہ وہ سرگرم عمل ہوکر نقصانات کا تعین، واقعے کی شدت، اثرات اور زندگی کو محفوظ رکھنے کے وسائل اور تدارک کی اقدامات کے بارے میں معلومات فراہم کرے۔

یہ کام پہلے سے مقرر شدہ ضروری آلات سے لیس تربیت یافتہ ٹیموں کے ذریعے کیا جاسکتا ہے۔ ان کے پاس موبائل فون، کمپیوٹر، بیٹریاں، جی پی ایس یونٹ اور کیمروں کا ہونا ضروری ہے۔ یہ ٹیمیں فوری طور پر متاثرہ علاقوں میں پہنچ کر ریکارڈ اکٹھا کریں گی اور سانحے سے متعلق پٹری سے اتری ہوئی معلومات کی آگاہی دیں گی۔

ضروری ہے کہ باآسانی ذہن نشین ہونے والا ہنگامی فون نمبر (مثلاً 999) کو استعمال کیا جاسکتا ہے اس نمبر کو پورے ملک میں مشتہر کرنا چاہیے تاکہ ہر شہری کو اس کا علم ہو اور ہنگامی صورتحال کی خبر آسانی سے فراہم کی جاسکے۔

عام طور پر جائے وقوع پر سب سے پہلے پہنچنے والے فائر ڈپارٹمنٹ، پولیس اور بلدیہ ہوتے ہیں۔ متعلقہ مقام کی تمام رپورٹیں، ایمرجنسی آپریشنز سینٹر (ای او سی) کو بھیجی جاتی ہیں۔ اگر اضافی مدد اور اعانت کی ضرورت ہے تو ای او سی سانحات سے نمٹنے والے اگلے اعلیٰ ادارے سے درخواست کرے گا۔ اگر ہنگامی صورتحال ان کی استعداد سے باہر ہو جائے تو صوبے وفاق سے تعاون اور اعانت حاصل کریں گے۔

ذرائع کے ربط اور فراہمی، برق رفتاری کے ساتھ مقامی سے قومی سطح تک متحرک ہوسکتی ہے۔

ایسی صورتحال میں جہاں عمارات اور ڈھانچوں کو بڑا نقصان پہنچا ہو تو سانحے کے ردعمل میں خصوصی مہارتوں کے حامل افراد کی ضرورت ہوگی۔ مثلاً ان کے پاس لوگوں کو ملبے سے نکالنے کی بنیادی تکنیک ہو۔ انہیں لوگوں کو ملبے سے نکالنے والے آلات سے کام لینا آتا ہو ان کے پاس حسی آلات اور تربیت یافتہ کتے ہوں۔ انہیں سرنگیں بنانی آتی ہوں۔ وہ ملبے کی کٹائی کرسکتے ہوں۔ ان کے پاس میکانی آلات اور اوپر چڑھنے کی کل ہو۔ انہیں محدود علاقوں میں تلاش کا کام آتا ہو۔ وہ مریضوں کی حالت کو متوازن بنانے اور ہنگامی علاج و معالجہ کرنے کے قابل ہوں۔

اس کے علاوہ بھاری آلات، کرین، بلڈوزر اور سڑکوں کو صاف کرنے والی مشینوں کی ضرورت ہوگی۔ سانحے کے ایک اچھے لائحہ عمل میں ہر مقام پر اس قسم کے مذکورہ آلات کے لیے نمبر اور کام میں لانے کا طریقہ شامل ہونا چاہیے۔

بحالی

سانحے کے لائحہ عمل میں عموماً بحالی کو نسبتاً کم اہمیت دی جاتی ہے جبکہ متاثرہ لوگوں کے لیے معمولات کی طرف لوٹنا بنیادی تعلق خاطر ہوتا ہے۔ بحالی کے دور سے مراد ایک ایسی صورتحال کی طرف واپسی ہے جو سانحے کے رونما ہونے سے پہلے موجود تھی۔

بحالی کی حالیہ تعریف اس عمل کو مزید آگے لے جاتی ہے۔ اب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ متاثرہ کمیونٹی کے حالات زندگی کو سانحے سے پہلے کے حالات سے بہتر بنایا جائے۔

اکثر بڑے پیمانے پر ہونے والے سانحات کی صورت میں کاروبار زندگی کے عام حالات کی طرف لوٹنے پر وقت کا دباؤ ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے زیادہ تر فیصلہ اس حق میں ہوتا ہے کہ اسی قیمت میں غیر معیاری تعمیرات کرکے بڑی تعداد میں لوگوں کی ضرورت کو پورا کردیا جائے۔

ہمیں اس حقیقت سے سبق سیکھنا چاہیے کہ حالیہ زلزلے کے دوران تمام سرکاری عمارات، اسکول اور اسپتال تباہ ہوگئے تھے اور ہمارے لیے انہیں ازسرنو تعمیر کرنے کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں ہے۔ اس لیے بحالی کے عمل میں یہ ضروری ہے کہ عمارات کا بنیادی ڈھانچہ مستقبل کے سانحات میں محفوظ رہے۔

(نعیم صادق کوالٹی کنسلٹنٹ ہیں)

ہمیں اس حقیقت سے سبق سیکھنا چاہیے کہ حالیہ زلزلے کے دوران تمام سرکاری عمارات، اسکول اور اسپتال تباہ ہوگئے تھے اور ہمارے لیے انہیں ازسرنو تعمیر کرنے کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں ہے۔ اس لیے بحالی کے عمل میں یہ ضروری ہے کہ عمارات کا بنیادی ڈھانچہ مستقبل کے سانحات میں محفوظ رہے

ش۔ فرخ

زلزلے کے چھ ماہ بعد

ابھی بھی جگہ جگہ خیمہ بستیاں نظر آتی ہیں بیشتر تباہ شدہ دکانیں کسمپرسی کی تصویر پیش کرتی ہیں

وہ نوجوان خیمہ بستی کے قریب کھڑا تھا۔ سر میں تیل ڈالے کڑھائی والا کرتہ شلوار پہنے۔ سلام دعا لی۔ خیریت معلوم کی۔ زلزلے میں اس کا گاؤں ملیا میٹ ہوگیا تھا۔ تب سے یہ لوگ مظفرآباد کے ایک خالی پلاٹ پر نصب خیموں میں رہتے ہیں۔ کیا کرتے ہو؟ سوال تھا۔ 'کچھ نہیں جی پیسے ہی نہیں ملے'۔ اس نے گزشتہ چھ ماہ کے دوران کچھ نہیں کیا۔ زلزلے کی آفت نے اسے دستِ نگر بنا دیا تھا۔ وہ سلامت ہوتے ہوئے بھی معذور ہوگیا تھا۔ ساتھ والے خیمے میں لکڑی کے چولہے کی آگ بجھا دی گئی تھی۔ مرد اور عورتیں ناشتے کے بعد آرام سے بیٹھے تھے۔ لڑکیاں برتن دھو رہی تھیں۔ باقی کا دن کیسے گزارنا ہے۔ ان کے چہروں سے واضح تھا کہ کسی قسم کی سرگرمی ان کے معمولات میں شامل نہیں ہے۔ پگڑی والا آدمی کہہ رہا تھا 'ہماری تھاں (جگہ) ہی نہیں رہی۔ جب ملے گی تو یہاں سے جائیں گے'۔ بڑا جی چاہتا تھا کہ زلزلے کے متاثرین کے پاس جاؤں۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کروں، لیکن بوجوہ اس سے قبل ایسا نہ کرسکی۔

کہوٹہ کی جھلسانے والی لو میں راولاکوٹ جانے والی سڑک کے کنارے چائے خانے میں چائے پی۔ شام ڈھلے راولاکوٹ جسے پرل وادی بھی کہتے ہیں اس کی تا حد نظر ہریالی، کوئل کی کوکو اور خنک ہوا کے جھونکوں نے ساری کوفت دور کردی۔ راولاکوٹ میں دوسرے علاقوں کی بہ نسبت زلزلے کی تباہ کاری کی شدت کم تھی۔ اس لیے بھی کہ وہاں فصل کی کٹائی کی چھٹیوں کی وجہ سے تعلیمی ادارے بند تھے۔ مرد اور عورتیں کھیتوں میں تھے۔ عمارتیں تباہ ہوئیں مگر زیادہ جانیں نہ گئیں۔ ایک مقامی تنظیم کے سربراہ نے بتایا کہ علاقے بھر میں راولاکوٹ کی شرح خواندگی سب سے زیادہ ہے۔ یہاں کی زیادہ تر عورتیں پڑھی لکھی ہیں۔ مگر وہ پھر بھی روایات کی پابند رہیں۔ بیرونِ خانہ جانے سے ہچکچاتی تھیں۔ سر پر مصیبت پڑی تو وہ اٹھیں۔ اپنا آپ سنبھالا اور دوسروں کو سنبھلنے میں مدد دی۔ شہر سے کچھ فاصلے پر ہم کھیتوں میں سے ہوتے ہوئے ایک گاؤں پہنچے۔ اس عورت کے چہرے پر خوداعتمادی تھی۔ زمین کا ایک ٹکڑا پاس ہے۔ جس میں گھر کے لیے سبزیاں وغیرہ اُگائی جاتی ہیں۔ زلزلے میں مکان کا ایک حصہ منہدم ہوگیا تھا۔ مال مویشی ختم ہوگئے۔ شوہر سعودی عرب میں کام کرتا ہے۔ مالی نقصان کی تلافی مشکل نہ تھی۔ شوہر کی غیر موجودگی میں عورت کو پہلے ہی سے خودانحصاری کی عادت تھی۔ کہتے ہیں کہ یہاں کے لوگ فطرتاً صابر، نرم مزاج اور متین ہیں۔ یہاں جرائم کی شرح بہت کم ہے۔ پہاڑ سے اتر کر بازار کی طرف جانے والی نوعمر لڑکی کے قدموں کے استحکام نے اس کی توثیق کی تھی۔ چند نوجوان طالب علم این آر ایس پی کے سربراہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ شکایت تھی کہ ان کے علاقے میں بحالی کا کام سست رو ہے۔ گفتگو کے دوران جب ان سے یہ کہا کہ اس طرح کے کاموں کی کامیابی کے لیے حکومت اور امدادی تنظیموں کے علاوہ مقامی باشندوں کا تعاون ضروری ہے تو ان کا جوش اور غصہ ہلکا ہوگیا۔ علاقے بھر میں امدادی تنظیموں اور سرکاری اداروں کی گاڑیاں آتی جاتی دکھائی دیں۔ راولاکوٹ سے باغ تک پہاڑوں سے ٹوٹ کر گرنے والی چٹانوں کا ملبہ سڑک کے کنارے کنارے ہمارے ہمراہ رہا۔ موجودہ صورتحال یقیناً چھ ماہ قبل کے سانحے کے فوری بعد سے بہتر ہوگی۔ لیکن ابھی بھی جگہ جگہ خیمہ بستیاں نظر آتی ہیں۔ بہت سی تباہ شدہ دکانیں اور عمارتیں کسمپرسی کی تصویر پیش کرتی ہیں۔ دریائے جہلم کا پل عبور کرکے باغ کے شہر میں داخل ہوئے۔ تپتے ہوئے موسم میں ٹوٹی پھوٹی

(باقی صفحہ 22 پر ملاحظہ فرمائیں)

پاکستان دنیا کے ان ممالک میں شامل ہے جنہیں پانی کی قلت کا سامنا ہے ، کیا بڑے ڈیم اس صورتحال کا موثر ہیں، چوتھے ورلڈ واٹر فورم میں ماہرین کا نقطۂ نظر

دریاؤں پر ڈیمز تعمیر کرنے کے منصوبے

وقار مصطفیٰ

ڈیمز

جینز میں ملبوس یہ دبلا پتلا جوڑا عام لوگوں کی ہی طرح تھا لیکن ان کے کندھوں پر پڑی جواہر کے سے چمکتے ہوئے شوخ رنگوں کی روایتی اجرک نے انہیں سب سے زیادہ نمایاں کر دیا تھا۔

منور لغاری اور حمیرا رحمان ورلڈ سندھی انسٹی ٹیوٹ کی نمائندگی کر رہے تھے اور ساری دنیا سے جمع ہونے والے ان ہزار ہا وفود میں شامل تھے جو میکسیکو کے دارالحکومت میں 16 تا 22 مارچ تک ہونے والے چوتھے ورلڈ واٹر فورم میں شرکت کے لیے آئے تھے جس کا مقصد عالمی آبی ایمرجنسی سے نمٹنا تھا۔

عالمی سندھی انسٹی ٹیوٹ کا کہنا تھا وہ بین الاقوامی فورم میں سندھ کے آبی حقوق کے مسائل سامنے لاتا ہے اور بڑے ڈیموں کی لابی کے خلاف مزاحمت کرتا ہے۔

حکومت پاکستان کا کہنا ہے کہ اسے آبی ہنگامی صورتحال کا سامنا ہے اس لیے صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لیے بڑے بڑے آبی ذخائر کی تعمیر کی وکالت اور حمایت کرتی ہے۔

صدر جنرل پرویز مشرف کا کہنا ہے کہ کالاباغ ڈیم سمیت کئی بڑے ڈیموں کی تعمیر میں تاخیر زرعی پیداوار اور توانائی کی رسد کو بری طرح نقصان پہنچا سکتی ہے (ان میں کالاباغ ڈیم سب سے زیادہ قابل عمل ہے)۔

انہوں نے عالمی بینک کے ایک تحقیقی مقالے کا حوالہ دیا جس کے مطابق 'پاکستان پانی کی کمی سے دوچار ممالک میں سے ایک ہے۔ یہ ایک ایسی صورتحال ہے جو اگر جاری رہی تو پانی کی شدید قلت ہو جائے گی۔ پاکستان میں صرف 150 کیوبک میٹر (33,000 گیلن) پانی فی فرد کے حساب سے ذخیرہ ہوتا ہے اس کے مقابلے میں یہ اعدادوشمار امریکہ اور آسٹریلیا میں 5000 کیوبک میٹر سے زیادہ اور چین میں 2200 کیوبک میٹر ہیں۔

صدر مشرف نے پاکستان میں کالاباغ کے مقام پر دریائے سندھ پر ایک ڈیم کی تعمیر کی حمایت کر کے بہت سے دشمن بنا لیے ہیں۔ مخالفین اسے اعلیٰ پنجابی طبقے کی جانب سے پانی پر قبضے کی ایک اور کوشش کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس اعلیٰ پنجابی طبقے کو پاکستان میں وفاقی سیاست میں تسلط حاصل ہے۔

حمیرا رحمٰن نے کہا کہ مسئلہ ٹیکنیکل ہونے سے زیادہ سیاسی ہے۔ صوبہ سندھ کو دریائے سندھ کے پانی کے جائز حقوق سے مسلسل محروم رکھا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں ڈیلٹا کا ماحولیاتی نظام روئیدگی کا شکار ہے اور جانداروں کی بیشتر اقسام یا تو معدوم ہو گئی ہیں یا پھر انہیں خطرات لاحق ہیں۔ تقریباً 1.2 ملین ایکڑ قابل کاشت زمین بنجر ہو گئی ہے۔ غیر آباد اور بنجر پن کے باعث سندھی باشندے اپنے قدیم اور روایتی وطن سے نقل مکانی پر مجبور ہو گئے ہیں کیونکہ اب دریائے سندھ زیریں سندھ تک پہنچتے پہنچتے خشک ہو جاتا ہے۔

دریائے سندھ کا اپنے منبع سے سمندر تک پہنچنے کا سفر 2900 کلومیٹر پر محیط ہے۔ اس دوران اس میں 10 بڑے دریا اور شامل ہوتے ہیں اور یہ پاکستان کے صوبوں پنجاب اور سندھ سے گزرتا ہے۔ پاکستان اپنی زرعی آبپاشی کے لیے کلی طور پر دریائے سندھ کے نظام پر انحصار کرتا ہے۔

پاکستان کے وزیر برائے پانی اور توانائی لیاقت علی جتوئی نے عالمی آبی فورم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ 'پاکستان کے پاس ہائیڈرو الیکٹرک پاور کی لامحدود صلاحیت ہے جسے غریبوں کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کرنا ضروری ہے'۔

سندھ سے ہی تعلق رکھنے والے حمیرا رحمٰن اور منور لغاری نے فورم میں ایک کھلا خط تقسیم کیا جس کے ذریعے جتوئی کو چیلنج کیا گیا تھا۔

صوبوں کی جانب سے سخت مزاحمت کے بعد صدر مشرف نے اس سال کے شروع میں بھاشا اور منڈا ڈیم بنانے کا فیصلہ کیا اور عہد کیا کہ وہ بعد میں کالاباغ ڈیم کی تعمیر کے لیے سرحد اور سندھ کے صوبوں کو آمادہ کریں گے۔ قوم سے اپنے خطاب میں اس مسئلے پر اپنے فیصلے کا اعلان کرتے ہوئے انہوں نے 2016ء تک بھاشا، کالاباغ، اکوری، منڈا اور خرم تانگی ڈیموں کی تعمیر کا عہد کیا ہے۔

انہوں نے کہا 'کالاباغ ڈیم سندھ کے عوام اور کسانوں کے لیے بہت ضروری ہے۔ اگر انہوں نے اس کی مخالفت جاری رکھی تو ان کی زمینیں بنجر ہو جائیں گی اور ملک کے لیے

ایک بہت بڑی مشکل اور مصیبت پیدا ہو جائے گی۔ انہوں نے چین، بھارت، ایران اور ترکی کی مثالیں دیں جہاں کئی نئے ڈیم تعمیر ہوئے ہیں انہوں نے متنبہ کیا کہ اگر نئے ڈیم تعمیر نہ کیے گئے تو موجودہ 9 ملین ایکڑ فٹ (ایم اے ایف) پانی کی کمی 25 ایم اے ایف تک پہنچ جائے گی۔

عالمی سندھی انسٹی ٹیوٹ کے مکتوب میں کہا گیا ہے کہ 'سندھ کو دریائے سندھ کے پانی پر اس کے بنیادی حق سے محروم رکھنا سندھ کے قدرتی ذرائع پر غیر قانونی اور ناجائز ڈاکہ ہے۔ سندھ یا کسی دوسرے چھوٹے صوبے کے مفادات کے لیے نقصان دہ کوئی بھی منصوبہ نہ تو بنایا جاسکتا ہے اور نہ اس کا نفاذ ہوسکتا ہے۔ دریائے سندھ پر کوئی اور ڈیم بننا ہی نہیں چاہیے۔ چاہے وہ کالاباغ ڈیم ہو، بھاشا ہو یا کوئی اور ڈیم ہو'۔

انہیں فورم میں حمایت حاصل تو تھی لیکن وہ صرف بڑے ڈیموں کی مخالفت کی حد تک محدود تھی۔

بین الاقوامی ریورنیٹ ورک کے ڈائریکٹر پیٹرک میکولی نے دنیا بھر میں بڑے ڈیموں کے خلاف چلنے والی بہت سی مہمات پر کام کیا ہے۔ انہوں نے ٹی این ایس سے بات کرتے ہوئے کہا کہ 'بڑے ڈیموں کی حامی لابی نے توانائی پیدا کرنے اور سیلابوں و خشک سالی پر قابو پانے کے لیے مزید منصوبوں کی وکالت کی ہے لیکن خشک سالی نے توانائی کی کمی میں اضافہ کیا ہے۔ کیونکہ ڈیموں میں بجلی پیدا کرنے کے لیے وافر مقدار میں پانی نہیں ہوتا۔ ڈیموں نے سیلابوں سے منسلک خطرات اور خدشات میں بھی اضافہ کیا ہے۔ لوگ ڈیموں کے نشیبی دھارے کے سیلابی میدانوں میں آباد ہوجاتے ہیں'۔

انہوں نے ان جیسے منصوبوں اور بڑے ڈیموں کا متبادل حل پیش کیا۔ 'سیلاب پر قابو پانے کے لیے ایک ایسا طریقہ عمل جس میں علاقے کے لوگ شامل ہوں زیادہ کامیاب رہتا ہے۔ پُرآب زمینوں کی بحالی، ٹیکس اور لگان کی واپسی اور لوگوں کو سانحات سے نمٹنے کی تعلیم دینا ایک بڑے ڈیم کے مقابلے میں زیادہ موثر ہوگا'۔

'پانی کی کمی کے لیے پُرآب زمینوں، ٹینکوں اور تالابوں کو بحال کرنا بہتر ہوگا تا کہ ان لوگوں کو پانی مہیا ہو جہاں اس کی ضرورت ہے۔ ان کی قدر و قیمت ڈیموں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ وہ حیاتیاتی تنوع کو سہارا دیتے ہیں اس سے خشک سالی کی شدت میں بھی کمی ہوگی'۔

ہمیں زراعت کے لیے سادہ اور مستعد طریقوں کی ضرورت ہے مثلاً رسنے والے نظام آبپاشی اور پاؤں سے چلنے والے پمپ جو سستے ہیں اور موثر بھی۔

کمیونٹی کے تحت چلائی جانے والی اور روایتی آبی انتظام کی اسکیمیں معیار اور مقدار کے لحاظ سے پانی کی منصفانہ فراہمی کا طریقہ ہیں'۔

ڈبلیو ڈبلیو ایف کا بھی یہ کہنا ہے کہ بڑے ڈیم بمشکل غربت میں کمی لانے کا باعث بنتے ہیں۔

ڈبلیو ڈبلیو ایف کے تازہ پانی کے پروگرام ڈائریکٹر جیمی پٹوک نے کہا۔ 'دریاؤں کے بہتر انتظام کے لیے ہمیں حکومتوں پر دباؤ بڑھانا ہوگا کیونکہ یہ لوگوں اور فطرت کے لیے پانی کا واحد وسیلہ ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ عالمی کمیشن برائے ڈیم کی سفارشات پر سختی سے عملدرآمد کیا جائے۔'

دوسری طرف عالمی بینک کے سابق ترجمان اعلیٰ ٹم کولن کا خیال ہے کہ بہت سے ممالک نے بڑے ڈیموں سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا ہے۔ ٹم کولن عالمی کمیشن برائے ڈیم کے لیے مشیر کی حیثیت سے کام کر چکے ہیں۔

کولن نے کہا کہ ڈیم لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے میں ایک اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ دنیا کے ایک تہائی ممالک نصف سے زیادہ بجلی کی رسد کے لیے پن بجلی پر انحصار کرتے ہیں اور بڑے ڈیم کل بجلی کا 19 فیصد پیدا کرتے ہیں۔

تاہم بڑے ڈیموں نے دنیا کے دریاؤں کو ٹکڑوں میں تقسیم کردیا ہے۔ ان کی ہیئت تبدیل کردی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان میں نصف پر کم از کم ایک بڑا ڈیم ضرور بن چکا ہے اور سینکڑوں بڑے ڈیموں کی تعمیر کے باعث لاکھوں لوگوں کو اپنا گھربار چھوڑ کر دوسری جگہوں پر منتقل ہونا پڑا ہے۔ یہی ترقی ہے جس نے گزشتہ عشروں میں بڑے بڑے ڈیموں کے موضوع کو بین الاقوامی توجہ کا مرکز بنادیا اور مظاہرین کو سڑکوں پر لے آئی'۔

کولن نے کہا۔ 'ماحول پر ڈیموں کے اثرات پر عالمی کمیشن برائے ڈیمز کی تحقیق کے مطابق بڑے ڈیموں کی تعمیر کے باعث مندرجہ نقصانات سامنے آئے ہیں۔

- جنگلات اور جنگلی حیات کا نقصان، آبادی کی مختلف اقسام کا نقصان، ذخیرہ آب کے علاقے کی غرقابی کے باعث بالائی آبی گزرگاہوں کی تنزلی۔
- بالائی آبی گزرگاہوں کی آبی حیات کے تنوع اور نشیبی آبی گزرگاہوں میں مچھلیوں کا نقصان اور نشیبی آبی گزرگاہوں کے سیلابی میدانوں، آبی زمینوں کی خدمات، ساحلی کھاڑی اور ملحقہ آبی ماحولیاتی نظام کی تباہی۔
- ایک ہی دریا پر کئی ڈیم بننے سے پانی کے معیار، فطری سیلاب اور حیاتی آمیزش پر مجموعی اثرات۔
- ماحولیاتی نظام کے اثرات مثبت سے زیادہ منفی ہیں اور بہت سے واقعات میں حیاتی اقسام اور ماحولیاتی نظام کو جو نقصان پہنچا ہے وہ اہم ہے۔

کولن نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ 'ان اثرات کی پیش بینی اور ان سے بچاؤ کے لیے توجہ کا فقدان پیش گوئی کا ناقص معیار اور غیر یقینی ہونا تمام اثرات سے نمٹنے میں دقت کا سامنا اور شدت کو کم کرنے والے اقدامات اور ان کا جزوی نفاذ ہے۔ اس کے باعث بڑے ڈیموں کے ماحولیاتی نظام کے اثرات کو دور کرنے کی کوششوں کو ابھی تک محدود کامیابی حاصل ہوسکی ہے۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ عالمی کمیشن برائے ڈیمز کو علم ہوا کہ:۔۔۔

- ذخیرہ آب کی تخلیق پر ارضی ماحولیاتی نظام اور حیاتیاتی تنوع پر اثرات کی شدت کو کم کرنا ممکن نہیں ہے اور جنگلی حیات کو بچانے کی کوششوں کو پائیدار کامیابی کم ملی ہے۔ ڈیم میں آنے والے مچھلیوں کے راستوں کے استعمال سے مہاجر مچھلیوں کے سفر کی رکاوٹوں کی شدت میں معمولی کامیابی ہوئی ہے۔ کیونکہ اکثر ٹیکنالوجی مخصوص جگہوں اور اقسام کے لیے نہیں بنائی جاتی۔
- ایک اچھی اطلاعاتی بنیاد، ایکولوجسٹ، ڈیم کو ڈیزائن کرنے والی ٹیم اور متاثرہ لوگوں کے درمیان ابتدائی تعاون اور فراہمی معلومات سے شدت میں کمی کے اچھے نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ 'بڑے ڈیموں کے ماحولیاتی نتائج عام طور پر نہایت شدید اور بے رحم ہوتے ہیں۔ سماجی اثرات بھی اکثر قابل توجہ ہیں۔

- دنیا بھر میں ڈیموں کی تعمیر سے 40 سے 80 ملین لوگ بے گھر ہوئے۔
- لاکھوں لوگ ڈیموں کے نشیبی آبی بہاؤ پر رہائش پذیر ہیں۔ خصوصاً وہ لوگ جو قدرتی سیلابی میدانوں میں کام کرنے اور ماہی گیری پر انحصار کرتے ہیں۔ ان کے روزگار کو بری طرح نقصان پہنچا اور ان کے ذرائع کی مستقبل کی پیداواری صلاحیت کو خدشات اور خطرات سے دوچار کردیا گیا۔
- جن لوگوں کی نو آبادکاری ہوئی ان کے روزگار کی بحالی بمشکل ہوسکی کیونکہ

نوآبادکاری کے پروگرام عام طور پر ان کے مکانات کو دوسری جگہ تعمیر کرنے پر مرکوز ہوتے ہیں۔ ان میں بے گھر ہونے والی متاثرہ افراد کی معاشی اور سماجی ترقی کو مدنظر نہیں رکھا جاتا۔

کولن کا یہ بھی کہنا تھا کہ عالمی کمیشن برائے ڈیمز کی تحقیق کے نتائج یہ اشارہ دیتے ہیں کہ غریب اور غیر محفوظ و کمزور گروہوں اور مستقبل کی نسلوں کو امکانی طور پر بڑے ڈیموں کے منصوبوں سے معاشی فوائد کا ایک مناسب حصہ حاصل کیے بغیر سماجی اور ماحولیاتی قیمت کا غیر متناسب حصہ برداشت کرنا پڑے گا۔ عالمی کمیشن برائے ڈیمز کے سابق ممبر نے کچھ سفارشات کا ذکر کیا۔ اپنی رپورٹ اور سفارشات میں مستقبل کے ڈیموں کی منصوبہ بندی کی رہنمائی کرتے ہوئے مندرجہ ذیل پانچ بنیادی اہم اوصاف اور اقدار 'حق و انصاف، صلاحیت و کارگزاری، فیصلہ سازی میں شرکت اور حصہ داری، پائیداری اور احتساب و جواب دہی' ابھر کر سامنے آئے۔

ان اقدار اور اوصاف سے لیس ہو کر کمیشن برائے ڈیمز نے ایک ایسی رسائی تجویز کی جس کی بنیاد حقوق کے اعتراف اور خطرات کی تخصیص و تعین پر ہو۔ خصوصاً وہ حقوق جنہیں خطرات لاحق ہوں۔ کمیشن یہ سمجھتا ہے کہ مستقبل کی منصوبہ بندی اور فیصلہ سازی میں اسے ایک بنیادی رہنما آلہ کار ہونا چاہیے۔ وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ معاشی، سماجی اور ماحولیاتی جہتوں کی کلیت۔ انتخاب کے اختیارات کے تعین اور منصوبہ بندی اور بڑے ڈیموں سے منسلک منصوبوں کے مکمل ہونے کی مدت کے لیے ایک زیادہ موثر دائرہ کار مہیا کرے گا۔

- کمیشن نے پانی اور توانائی کے انتخابی اختیار کے بارے میں پانچ نکات کی نشاندہی کی جن میں سے اوّلین دو کا تعلق منصوبہ بندی سے ہے۔
- پانی اور توانائی کی خدمات کا تخمینہ لگانا اور درست قرار دینا ضروری ہے۔
- انتخابی اختیارات کا گہرا جائزہ لینا اور اس پر نظر ثانی کرنا بہت ضروری ہے تاکہ ترجیحی ترقیاتی منصوبے کی نشاندہی کی جا سکے۔

'جب اس عمل سے ایک ترجیحی ترقیاتی متبادل کی حیثیت سے ایک ڈیم ابھرتا ہے تو فیصلے کے مزید تین نکات ظاہر ہوتے ہیں'۔

- منصوبے کی تیاری کے مرحلے کے دوران اس بات کی توثیق ضروری ہے کہ تعمیری معاہدے کے ٹینڈر کی اشاعت سے پہلے تمام معاہدے مکمل اور درست حالت میں موجود ہوں۔
- ڈیم کی تعمیر کی اجازت دینے سے قبل منصوبے پر عملدرآمد کے مرحلے کے دوران تمام معاہدوں کی منظوری۔
- منصوبے کے طریق عمل کے مرحلے کے دوران ڈیم کو چلانے کے عمل کا بدلتے ہوئے بیرونی حالات کے مطابق ڈھلنا۔

کولن نے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے کہا 'فیصلے کے ان پانچ نکات میں سے ہر ایک ان اعمال سے ایک لگن اور ذمہ داری کی نمائندگی کرتا ہے جو مستقبل کے رویئے اور کردار کی راہ کا نظم و ضبط قائم رکھتے ہیں اور منصوبے کے لیے مالیاتی اور دیگر ذرائع کا تعین کرتے ہیں۔ یہ وہ نکات ہیں جہاں وزارتوں اور حکومتی اداروں کو اگلے مرحلے کے لیے سبز جھنڈی دکھانے سے پہلے پیش رو کارروائی کے ساتھ حکم کی بجا آوری اور تکمیل کی آزمائش کرنے کی ضرورت ہے۔

(بشکریہ ڈی نیوز)

شہری کے لئے رضا کاروں کی ضرورت ہے

شہری کے مختلف منصوبے ذیل میں درج چھوٹی کمیٹیوں کی وساطت سے چلائے جاتے ہیں۔

- آلودگی کے خلاف
- میڈیا اور بیرونی روابط (نیوز لیٹر)
- قانونی (غیر قانونی عمارتیں)
- تحفظ ورثہ (پرانی عمارتیں)
- پارکس اور تفریح
- مالی حصول

ہر وہ شخص جو شہری کے جاری اور مستقبل کے منصوبوں کے لیے مدد (رقم / فیس) کرنا چاہے اس سے گزارش ہے کہ وہ شہری کے دفتر تشریف لائیں یا فون، فیکس یا ای میل کے ذریعے شہری کے سیکریٹریٹ سے رابطہ کریں۔

''شہری'' میں شمولیت اختیار کیجئے
ایک بہتر ماحول کی تخلیق کے لئے

اگر آپ ''شہری'' میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو براہ کرم یہ کوپن بھر کر اس پتے پر روانہ کر دیں۔

شہری برائے بہتر ماحول۔ 206 جی۔ بلاک 2 پی ای سی ایچ ایس، کراچی 75400۔ پاکستان

ٹیلی فون / فیکس 92-21-4530646

E-mail address:
Shehri@onkhura.com (Web site)
URL:http//www.onkhura.com/shehri

نام ____________ ٹیلی فون (گھر) ____________

ایڈریس ____________

پیشہ ____________ ٹیلی فون (دفتر) ____________

شہری کی رکنیت

2006 ء کے لئے شہری کی رکنیت کی تجدید کروانا نہ بھولیں۔ شہری میں شرکت کریں اور بطور شہری اس شہر کو صاف کرنے، صحت بخش اور ماحول دوست مقام بنانے کے لئے مدد دیں۔

آکیم اسٹینر ایک ماحول دوست شخصیت ہیں، ذیل میں عالمی آبی فورم کے دوران ان سے پانی اور ماحولیاتی تحفظ کے حوالے سے کی گئی گفتگو ملاحظہ فرمائیے

آکیم اسٹینر: ایک ماحول دوست شخصیت

ماحولیات

شہری رپورٹ

آکیم اسٹینر آج کل آئی یو سی این (ادارہ برائے تحفظ فطرت) کے ڈائریکٹر جنرل ہیں۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا ماحولیاتی نیٹ ورک ہے۔ 140 ممالک میں اس کے اراکین کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے جس میں ریاستیں۔ حکومتی ادارے اور غیر سرکاری تنظیمیں شامل ہیں۔ جنرل اسمبلی نے متفقہ طور پر جرمنی کے آکیم اسٹینر کو اقوام متحدہ کے ماحولیاتی پروگرام (یو این ای پی) کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر کی حیثیت سے چار سال کی مدت کے لیے منتخب کیا جو 15 جون 2006ء سے موثر ہوگا۔

اپنے کیریئر کے دوران انہوں نے بھارت میں ایک سی بی او کے ساتھ نچلی سطح پر کام کا تجربہ حاصل کیا۔ انہوں نے پاکستان، ویتنام اور دیگر ممالک میں غیر سرکاری تنظیموں، پبلک سیکٹر اور بین الاقوامی تنظیموں کے ساتھ پائیدار ترقی پر مشاورتی عہدوں پر بھی کام کیا۔

دی نیوز آن سنڈے نے میکسیکو سٹی۔ میکسیکو میں حال ہی میں ہونے والے عالمی آبی فورم کے دوران ان سے پانی اور ماحولیاتی تحفظ کے بارے میں علاقائی دلچسپی کے مسائل پر گفتگو کی۔

آپ قدرتی ذرائع کے تحفظ کے کام میں کیسے شریک ہوئے؟

آکیم اسٹینر: یہ ایک ایئرپورٹ کی انتظارگاہ میں حادثاتی ملاقات تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ایک انتظارگاہ بھی نہیں تھی۔ ہمالیہ کے ایک چھوٹے سے شہر گلگت کا ایک چھوٹا سا چھپر تھا۔ میں قراقرم کے ایک سفر سے واپس آ رہا تھا اور ایک نوجوان کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا جس کی گود میں لیپ ٹاپ رکھا تھا اور وہ شد و مد کے ساتھ ٹائپنگ میں مصروف تھا۔ وہ اِدھر اُدھر کے منظر بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ حالانکہ وہ ان حیرت انگیز جگہوں میں سے ایک تھی جہاں آپ کبھی شاید ہی بیٹھ پاتے ہوں۔ میں نے اس سے پوچھا 'تم کس کے لیے کام کرتے ہو کہ اس جیسی جگہ پر اپنا وقت ایک کمپیوٹر پر صرف کر رہے ہو'۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ آئی یو سی این (بین الاقوامی ادارہ برائے تحفظ فطرت) کے لیے کام کرتا ہے۔ یہ پہلا موقع تھا جب میں آئی یو سی این سے متعارف ہوا۔ میں خود پاکستان میں ایک جونیئر پروفیشنل آفیسر تھا۔ اس پہلی ملاقات کے بعد آئی یو سی این سے میری بہت طویل وابستگی کا دور شروع ہوا۔ میں نے انہیں پاکستان میں اپنے پروجیکٹ میں کام کرنے کی عوت دی۔ بعد میں آئی یو سی این نے مجھے جنوبی افریقہ میں اپنے ساتھ کام کرنے کی دعوت دی۔ پھر میں دوبارہ نوکری چھوڑ کر چلا گیا اور جی ٹی زی میں ملازمت کرلی بعد میں عالمی کمیشن برائے ڈیمز کا سربراہ بن گیا۔ پھر اِدھر عالمی کمیشن برائے ڈیمز نے اپنا کام ختم کیا اُدھر آئی یو سی این ایک نئے ڈائریکٹر کی تلاش میں تھا، چنانچہ اب میں یہاں ہوں۔

میں ہمیشہ سے ایک بین الاقوامی تعاون کے تناظر میں کام کرنے کا خواہشمند تھا۔ خصوصاً ایک ایسے میدان میں جہاں مجھے مختلف ممالک اور مختلف ثقافتوں میں کام کرنے کی اجازت ہو۔ یونیورسٹی سے نے ایک ایسی ڈگری کی تعلیم حاصل کی جو معاشی ترقی، سیاسیات اور علاقائی ترقیاتی منصوبہ بندی کو یکجا کرتی ہے۔ میں نے ماحولیاتی معیشت میں بھی خصوصی مہارت حاصل کی۔ اور اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز جی ٹی زی کے ساتھ پاکستان میں دیہی ترقیاتی پروگرام میں کام کر کے کیا۔

کیا بڑے ڈیم اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ وہ پیداوار اور پائیدار ترقی کے لیے ایک پلیٹ فارم ہیں۔

کسی بھی ترقی کے بنیادی ڈھانچے کی طرح ڈیموں کے منصوبوں کی بھی اچھی اور بری مثالیں موجود ہیں۔ ہمارا تجربہ

بتاتا ہے کہ ایسے بھی منصوبے ہیں جنہوں نے ایک ملک کی معاشی ترقی میں حصہ بٹایا ہے اور آگے بھی بٹاتے رہیں گے عالمی کمیشن برائے ڈیمز کی رپورٹ کے مطابق کچھ نے اپنی زندگی اور استطاعت سے بڑھ کر کام کیا اور کچھ توقع پر پورے نہیں اترے۔ اہم بات یہ ہے کہ خلل انگیز منصوبوں کی ابتدائی مرحلے میں ہی نشاندہی کرلی جائے اور انہیں خارج کردیا جائے۔ یہ کام زیادہ شفاف فیصلہ سازی کے عمل کے ذریعے کیا جائے اور تکنیکی اور معاشی اہمیت کے مقابلے میں سماجی اور ماحولیاتی پہلوؤں کو بالکل ابتدا ہی سے تسلیم کیا جائے۔

مجوزہ ڈیمز کے منصوبوں کی پیچیدگیوں کا تعلق ماضی کے سماجی اور ماحولیاتی اثرات سے بہت قریبی ہے۔ اکثر ان عوامل پر منصوبہ بندی کے مراحل پر محدود توجہ دی جاتی ہے اور بہت سے واقعات میں لوگوں اور ماحولیاتی نظام پر مضر اثرات پڑتے ہیں جو ہمارے پائیدار ترقی کے نظریات کی نفی کرتے ہیں۔ منصوبہ بندی کے ابتدائی مراحل سے ہی ان مسائل اور موضوعات پر بہت زیادہ توجہ دینے اور متاثرین کے ساتھ فوائد میں شرکت کی سچی لگن اور خواہش سے اس قسم کے ناپسندیدہ تصادم کو کم کیا جاسکتا ہے اور جدید/تخلیقی عمل سے نقصانات کی تلافی ہوسکتی ہے۔

پاکستان نے حال ہی میں بڑے ڈیموں کی تعمیر کے ایک سلسلے کا اعلان کیا ہے۔ آپ اس فیصلے کو کس نظر سے دیکھتے ہیں جبکہ ملک میں اس مسئلے پر ایک بڑی بحث چھڑی ہوئی ہے؟

اے ایس: آج کل مخالفت اور ڈیموں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جسے ہم تسلیم کرتے ہیں۔ یہ واقعہ امر ہے کہ اس قسم کی بحث عوامی سطح پر چھڑ سکتی ہے۔ ایک ملک کی ترقی کو درپیش بڑے فیصلوں میں شہری معاشرے کا متوجہ ہونا اس کی بالغ نظری کی صحت مند نشانی ہے۔ آئی یو سی این کے لیے زیرِ نظر کسی ایک انفرادی منصوبے پر تبصرہ کرنا درست نہیں ہے۔ دلائل کو انتہاپسندی سے پیش کیا جاسکتا ہے۔ ڈیم ہونا چاہیے یا ڈیم نہیں ہونا چاہیے۔ درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ مثال کے طور پر آج کی ٹیکنالوجی سرِدست وسیع پیمانے پر بجلی کی فراہمی اور طلب کو محض ایک محدود تناسب تک پورا کرسکتی ہے۔ مگر روایتی طریقے میں فراہمی کو بڑھانے اور گھٹانے کی گنجائش ہوتی ہے۔

ترقی کے لیے ضروری ہے کہ مختلف طریقے اختیار کیے جائیں۔ نیز مزید تحقیق اور ان پر شدید گہرائی کے متبادل حل بھی ضروری ہیں۔ دریائے سندھ کے بارے میں آئی یو سی این بہت پہلے سے زور دے رہا ہے کہ ساحلی علاقوں کے کمزور ماحولیاتی نظام اور لوگوں کے روزگار پر توجہ دیں۔ بین الاقوامی ماہرین نے دریا کے فطری بہاؤ کا اندازہ لگانے کی تجویز پیش کی ہے۔ آئی یو سی این اس ضمن میں معاونت کرنے کے لیے تیار ہے۔

بھارت مقبوضہ کشمیر میں دو ڈیم تعمیر کر رہا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ سیاسی اور ماحولیاتی اعتبار سے کامیاب ثابت ہوں گے؟

آپ کے اس خصوصی سوال کا جواب معاملے کے تفصیلی جائزے کے بعد ہی دیا جاسکتا ہے۔ صورتحال اس وقت پیچیدہ ہوجاتی ہے جب ڈیم ایک سے زیادہ ممالک میں سے گزرنے والے دریاؤں پر بنائے جائیں۔ 1997ء کے اقوام متحدہ کے کنونشن نے ایک سے زیادہ ممالک میں سے گزرنے والے دریا کے پانی کا احاطہ کیا ہے اگرچہ اس پر اب تک عملدرآمد نہیں ہوا ہے لیکن یہ ایک دائرہ کار پیش کرتا ہے جس کے زریعے اس قسم کے مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے۔

پاکستان اور بھارت کے کیس میں 1960ء کے سندھ معاہدہ آب (انڈس واٹر ٹریٹی) گزشتہ 45 برسوں سے پانی کی شراکت کی دیکھ بھال اور تنازعات کے حل کے لیے ایک مضبوط طریقہ کار رہا ہے۔

ڈیم ممالک کے ماحول پر کس طرح کے اثرات پیدا کرتے ہیں؟

گزشتہ 30 برسوں میں ماحول پر پڑنے والے اثرات کے درجات کو بہت اچھی طرح قلمبند کیا گیا ہے۔ حال ہی میں عالمی کمیشن برائے ڈیمز نے جو تحقیقی مطالعے اور مشاورت کیں وہ بھی اس میں شامل ہیں۔ ان میں پانی کا معیار اور مقدار میں تبدیلی سے باسیوں کا متاثر ہونا۔ مچھلیوں کی آبادی میں کمی۔ مہاجر اصناف کے لیے اہم حیاتیاتی تنوع کے راستے کا ختم ہونا۔ معدوم ہوتی ہوئی اصناف کو لاحق خطرات، ترمیم شدہ سیلابی نظاموں کے نتیجے میں نشیبی دھارے کی آبی زمینوں اور سیلابی میدانوں پر اثرات، سڑکوں اور دیگر بنیادی ڈھانچوں کی تخلیق کے باعث نکاسی آب کے نالوں کی منڈیروں کے علاقے کو لاحق خطرات جیسے موضوعات شامل ہیں۔

محتاط منصوبہ بندی ہو تو جگہ کی تبدیل شدہ آب و ہوا اور نئے ذخیرہ آب کے مثبت اثرات ہوسکتے ہیں۔ یاد رکھنے کے لیے یہ بات اہم ہے کہ ماحولیات پر پڑنے والے اثرات کا سماجی اثرات اور ان بہت سے لوگوں کے روزگار کے ساتھ قریبی تعلق ہے جو دنیا کے آبی اور ارضی ماحولیاتی نظام کے تنوع اور دلفریبی پر انحصار کرتے ہیں۔

غیر سرکاری تنظیم کی سطح پر پاکستان اور بھارت ہدیارہ نامی نالے پر مطالعے اور آلودگی میں کمی کے لیے آپس میں تعاون کر رہے ہیں یہ نالہ دونوں ممالک سے گزرتا ہے۔ کیا یہ سرحد پار پانی کے ذرائع کے لیے مزید تعاون کا بہانہ بن سکتا ہے؟

پانی کے ذرائع اور مربوط ماحولیاتی نظام سے متعلق سرحد پار کے مسائل کے حل کی تلاش کے لیے حکومتی، غیر سرکاری، علمی ہر سطح پر گفت وشنید کا سلسلہ ضروری ہے۔ اس میں مذاکرات کی گنجائش کے لیے رسمی اور غیر رسمی دونوں راہیں اختیار کی جاسکتی ہیں۔ اس کی کئی مثالیں موجود ہیں لیکن عموماً یہ ایک طویل عمل ہوتا ہے اور ایک پُرپیچ دریا سے تشبیہہ دی جاسکتی ہے۔ اہم ترین سیاسی عزم اور مذاکرات پر پختہ یقین ہے۔

ہم اپنے شہروں کو پائیدار بنانے کے بڑے چیلنج سے کس طرح نبردآزما ہوسکتے ہیں؟

واقعی یہ ایک بڑا چیلنج ہے لیکن بہت سے شعبوں میں خاطرخواہ ترقی ہوئی ہے جن میں پبلک ٹرانسپورٹ کے لیے زیادہ شفاف ایندھن کا تعارف، توانائی کے بچاؤ کی ٹیکنالوجی، قابل احیا توانائی کا تعارف، تعمیراتی قواعد میں تحفظ، بارانی کھیتی باڑی، پانی اور بجلی کی بچت کی حوصلہ افزائی کے لیے محاصل کی پالیسیاں (فہرست طویل ہے) شامل ہیں۔ تاہم بہت سے شہروں میں یہ حل معاشرے کے صرف ایک حصے تک محدود ہے۔ شدید غربت میں زندگی بسر کرنے والی وسیع شہری آبادی کو ایک بہتر معیارِ زندگی فراہم کرنا ایک بڑا چیلنج ہے۔ بہرحال حل موجود ہیں اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں مطابقت پیدا کرنا ممکن ہے۔ انہیں حقیقی سیاسی عزم اور لیڈرشپ کی ضرورت ہے۔

جنوب ایشیائی ممالک دفاع پر بہت رقم خرچ کر رہے ہیں کیا انہیں ان کی سلامتی کو لاحق حقیقی ماحولیاتی اور سماجی خطرات کا ادراک کرانے کی کوئی کوشش ہوسکتی ہے؟

قومی فیصلہ سازی کے عمل کے ذریعے حکومتی اخراجات کی ترجیحات کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ امن اور استحکام کسی بھی معاشرے کے اہم مقاصد ہیں اور ہم اس بات کے قائل ہیں کہ یہ مقاصد صرف پائیداری، تحفظ اور ماحولیات میں سرمایہ کاری کرکے ہی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ ماحولیاتی مسائل اور موضوعات کو ایجنڈے پر برقرار رکھنے اور عمل کے لیے ایک جواز کو یقینی بنانے کے لیے شہری معاشرے کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے۔

(بشکریہ: دی نیوز)

ایم اے جناح روڈ کراچی پر واقع شکار پوری کلاتھ مارکیٹ 1934ء میں تعمیر ہوئی۔ عمارت کو سندھ ثقافتی ورثہ ایکٹ 1994ء کے تحت محفوظ قرار دیا گیا حکومت سندھ نے 21ستمبر 1995ء کو مطلوبہ نوٹیفکیشن شائع کیا تھا۔ عمارت کا مالک اس عمارتی ورثے کو منہدم کرنے کی کوشش کررہا ہے

تعمیری ورثہ

شکارپوری کپڑا مارکیٹ

تعمیری ورثہ جو خطرے کی لپیٹ میں ہے

شہری رپورٹ

شہری اس مضمون کے ذریعے ہمارے تعمیری ورثے کو لاحق شدید خطرات پر توجہ مذکور کرانا چاہتا ہے۔ محفوظ ورثہ قرار دی جانے والی شکار پوری کلاتھ مارکیٹ کے انہدام کے خطرے کے خلاف شہریوں کی مزاحمت کا حال ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

ایم اے جناح روڈ کراچی پر واقع شکار پوری کلاتھ مارکیٹ 1934ء میں تعمیر ہوئی۔ اور عمارت کو سندھ ثقافتی ورثہ (تحفظ و حفاظت) ایکٹ 1994ء کے تحت محفوظ قرار دیا گیا حکومت سندھ نے 21 ستمبر 1995ء کو مطلوبہ نوٹیفکیشن شائع کیا تھا۔ عمارت کے مالک / بلڈر اس عمارتی ورثے کو منہدم کرنے کی کوشش کررہا ہے۔

شکار پوری کلاتھ مارکیٹ کا مالک جائیداد کے اندرونی ڈھانچے اور سیڑھیوں کو منہدم کرنے کی کوشش کر چکا ہے۔ کرایہ داروں نے متعلقہ سرکاری اداروں میں شکایت درج کرائی اور 6اپریل 2005ء کو کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی نے مالک جائیداد کو نوٹس جاری کیا۔

سندھ ثقافتی ورثے (تحفظ) ایکٹ 1994ء کے تحت مالک سمیت کوئی بھی فرد محفوظ ورثے کو نقصان پہنچانے، ہٹانے یا تبدیل کرتے ہوئے پایا گیا تو وہ سزا کا مستحق ہوگا۔ اس حقیقت کے باوجود مالک نے لکڑی کے چند تعمیراتی حصے گرا دیے۔ کے بی سی اے کے نوٹس کے اجراء کے بعد بھی عمارت کے اندرونی حصوں کو گرا کر قانون کی خلاف ورزی کی گئی۔ 2005ء میں اگست کے دوسرے ہفتے میں مالک نے محفوظ تعمیری ورثے کو ہٹانے کی کوشش کی اور کرایہ داروں نے ایک بار پھر متعلقہ افسران کو شکایت درج کرائی۔ یہاں یہ بتانا موزوں ہوگا کہ 17 اگست 2005ء کو کے بی سی اے نے وہ خالی حصے سربمہر کردیے جن میں کرایہ دار نہیں تھے۔

کرایہ داروں نے پھر عدالت میں ایک آئینی پٹیشن داخل کی جس میں شکار پوری کلاتھ مارکیٹ کے تحفظ کی درخواست کی گئی تھی۔ تمام مدعیان کراچی کے پرجوش شہری تھے۔ جو شہری فطری اور تعمیری ماحول کو برقرار رکھنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ عمارات قوانین وضوابط کے مطابق تعمیر ہوں۔ وہ اس بات کو بھی یقینی بنانا چاہتے ہیں کہ تمام شہریوں کی زندگی کا آئینی حق پامال نہ ہو۔ کیونکہ تمام مدعیان کا مقصد عمل ایک ہی ہے۔ انہوں نے مدعا علیہ کے خلاف قانون عمل کے باعث مل کران کے خلاف آئینی درخواست دائر کی تھی۔ مدعیان کی ایک قانونی دلچسپی اس بات کو یقینی بنانے میں بھی تھی کہ محفوظ تعمیری ورثے کا تحفظ سختی کے ساتھ قانون کے مطابق ہو۔ آئینی درخواست گزار کرایہ داروں کو بے دخل کرنے کے لیے غیر قانونی انہدام اُن کے ان بنیادی حقوق کی تلفی ہے جن کی ضمانت آئین کے آرٹیکل 8-9-14-23-24 اور 25 کے تحت دی گئی ہے۔ اور معزز عدالت اپنی آئینی حدود کو استعمال میں لاتے ہوئے انہیں نافذ کرسکتی ہے۔

آئینی درخواست میں کہا گیا کہ:

- اعلان کیا جائے کہ اعتراض شدہ جائیداد محفوظ تعمیری ورثہ ہے۔ اور اس منہدم نہیں کیا جاسکتا۔
- اعلان کیا جائے کہ مدعی کرایہ دار قانونی کرایہ دار ہیں اور قانون کے استحقاقی عمل کے بغیر انہیں بے دخل نہیں کیا جاسکتا۔
- اعلان کیا جائے کہ تعمیری ورثے کا انہدام، تبدیلی یا ہٹانا قانون کی خلاف ورزی ہے اور اسے فوری طور پر منسوخ کیا جائے۔
- سرکاری مدعا علیہ کو حکم دیا جائے کہ وہ مذکورہ جائیداد کے محفوظ تعمیری ورثے کا تحفظ کریں کیونکہ مذکورہ انہدام، تبدیلی اور ہٹانے کے کام قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کیے گئے ہیں۔
- مذکورہ جائیداد کے مالک / بلڈر کو عمارت کے مزید انہدام / تبدیلی سے روکا جائے۔
- سرکاری مدعا علیہان کو مذکورہ جائیداد کے انہدام کے لیے کسی 'این او سی' کو جاری کرنے سے روکا جائے۔
- دھوکے باز افراد / عوام کے لیے خطرات پیدا کرنے اور ایکٹ اور آرڈیننس سمیت تمام ضروری قوانین سے تجاوز کرنے پر سرکاری مدعا علیہان کو مالک، بلڈر، ملی بھگت کرنے والے سرکاری افسران اور لائسنس رکھنے والے پروفیشنلز کے خلاف مقدمہ فوجداری قائم کرنے کی ہدایت کی جائے۔
- موجودہ صورتحال کے زیر نظر معزز عدالت حکمت انصاف اور نقصان کی مناسب تلافی کرے۔

شکار پوری کپڑا مارکیٹ: تباہ حال ثقافتی ورثے کا ایک منظر

تجارتی سرگرمیاں یا سلامتی کو خطرہ

شھر کے باسیوں کو اپنے گردو پیش کے بری طرح متاثر کرنے والے مسائل پر خدشات و تحفظات لاحق ھیں تو شھری کو اطلاع دیں۔ برائے مھربانی ھمیں اس بارے میں لکھیں۔ تصویر ساتھ میں ضرور بھیجیں تاکہ کوشش بھتر ھو، مسئلے کا حل نکالا جائے۔ (ایڈیٹر)

گردو پیش پر نگاہ

شہری رپورٹ

ہم آپ کی توجہ فروٹ چاٹ کے ایک پتھارے دار کی جانب مبذول کرانا چاہتے ہیں جو ہمارے بینک کے داخلی دروازے کے قریب چاٹ فروٹ فروخت کرتا ہے۔ اس نے ہمارے برابر کی دکان کے سامنے کی جگہ پر بھی قبضہ کرلیا ہے جہاں وہ پھلوں کی پیٹیوں کا ذخیرہ کرتا ہے اس صورتحال نے بینک میں آنے والے ہمارے کھاتہ داروں کی سلامتی کے لیے خطرہ پیدا کردیا ہے۔ انہیں بینک کے قریب اپنی گاڑی کھڑی کرنے کے لیے بھی کوئی جگہ نہیں ملتی۔ وہاں کچھ لوگ بیٹھے رہتے ہیں اور ہمارے ان کھاتہ داروں کے آنے جانے پر نظر رکھتے ہیں جو بینک سے کیش رقم لے کر باہر جاتے ہیں۔

ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ برائے مہربانی اس معاملے پر توجہ دیں اور ہمارے بینک کے اطرافی ماحول کو محفوظ بنایئے ہمیں اپنے معزز کھاتہ داروں کی جانب سے سلامتی کے خطرے سے متعلق زبانی شکایات بھی موصول ہوچکی ہیں۔

طویل خشک سالی، ٹیوب ویل کے بے تحاشا استعمال اور افغان مہاجرین کی آمد کی وجہ سے صوبے میں صحرائیت کا عمل شروع ہوچکا ہے

بلوچستان کا بدلتا ہوا ماحولیاتی نظام

ماحولیات

پروفیسر عرفان احمد بیگ

31 مئی 1935ء کے کوئٹہ کے زلزلے کے بعد 8 اکتوبر 2005ء کا ہولناک اور تباہ کن زلزلہ آیا، زلزلہ ایک ایسی قدرتی آفت ہے جس کے بارے میں پیش گوئی کرنا ممکن نہیں ہے اور اس سے چند سیکنڈز میں زبردست تباہی ہوسکتی ہے۔ یہ بالکل اس طرح ہوتا ہے، جیسے ٹریفک کے حادثے میں کچھ لوگ ہلاک اور گاڑیاں تباہ ہوجائیں اور زخمیوں کے جسموں سے خون بہہ رہا ہو، ایسے حادثات میں فوری ردعمل اور امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔

تاہم دیگر اقسام کی قدرتی آفات، جن میں سیلاب، خشک سالی، قحط اور وبائی امراض شامل ہیں، وہ فوری طور پر یا اچانک رونما نہیں ہوتیں اور باشعور قومیں ایسی قدرتی آفات سے نمٹنے کے لیے پہلے سے منصوبہ بندی کرتی ہیں، یا ان کے آگے بند باندھ دیتی ہیں۔ 1997ء سے 03-2002ء تک پورے بلوچستان اور سندھ کے کچھ حصے میں پیدا ہونے والی شدید نوعیت کی خشک سالی بھی ایک قدرتی آفت تھی، جس کے دوران اور اس کے بعد بھی اس پر وہ توجہ نہیں دی گئی، جس کی ضرورت تھی اور ہے۔ بلوچستان انسانی تہذیب کے حوالے سے دنیا کا اہم خطہ ہے، یہاں سبّی اور ڈھاڈر کے نزدیک میر گڑھ کے مقام پر فرانس سے تعلق رکھنے والے دنیا کے معروف اور ماہر آثارِ قدیمہ ڈاکٹر پروفیسر جیرتیج اور ان کی اہلیہ مسز جیرتیج نے 1974ء سے 1994ء تک کام کیا۔ جب یہ جوڑا میر گڑھ آیا، تو جوان تھا اور اب بوڑھا ہوچکا ہے، اس جوڑے کا انسانی تاریخ پر یہ احسان ہے کہ اس نے دنیا کی سب سے قدیم انسانی تہذیب کے کھنڈرات بلوچستان میں میر گڑھ کے مقام پر دریافت کیے، گزشتہ برس صوبائی محکمۂ آثارِ قدیمہ اور ثقافت کے سیکریٹری محمد ایوب بلوچ کی دعوت پر وہ صوبائی دارالحکومت کوئٹہ آئے اور پاکستان میں مقیم فرانس کے سفیر کے ساتھ میر گڑھ کے بارے میں منعقدہ ایک سیمینار میں شرکت کی، یہاں انہوں نے ایک بار پھر بتایا کہ میر گڑھ کی تہذیب گیارہ ہزار برس پرانی ہے، واضح رہے کہ اب تک دنیا بھر کے ماہرین کا یہ خیال تھا کہ دنیا میں انسانی تہذیب کی قدامت نو ہزار برس ہے۔ پروفیسر جیرتیج اور مسز جیرتیج نے میر گڑھ کے مقام سے برآمد ہونے والی مختلف اشیاء کی تصویر دکھا کر بتایا کہ یہ تہذیب دنیا میں انسانی معاشرے کی بنیاد ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس تہذیب کے لوگوں نے دریائے بولان کے نزدیک مکانات بنائے اور بستی آباد کی، پہلی بار گندم، کپاس، چاول اور دیگر اجناس اُگائے اور یہاں پہلی مرتبہ بیل، گائے، بھیڑ اور بکریوں کو پالتو جانور کی حیثیت سے رکھا گیا۔

بلوچستان میں زراعت کا شعبہ انسانی تہذیب کا سب سے قدیم شعبہ ہے، لیکن پانی کی کم یابی کی وجہ سے اس کی زرعی پیداوار صوبہ سندھ اور پنجاب سے کم ہے۔ 1997ء کی خشک سالی سے قبل بلوچستان میں ملک میں پائی جانے والی کُل بھیڑ بکریوں کا تناسب 45 فی صد تھا اور اس کی سالانہ پیداوار دو کروڑ بھیڑ بکریوں تک تھی، یوں یہ شعبہ نہ صرف بلوچستان کی گیارہ ہزار سالہ قدیم تہذیب سے دنیا میں متعارف کرایا بلکہ گیارہ ہزار سال سے بلوچستان کی زمین اپنی وسیع چراگاہوں کی بنیاد پر اہلِ بلوچستان کے لیے روزگار اور پیداوار کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، ان گیارہ ہزار برسوں میں جغرافیائی اور ماحولیاتی بنیادوں پر اس خطے نے بہت سی مثبت اور منفی تبدیلیاں دیکھی ہوں گی، لیکن دو ڈھائی ہزار برس کی دستیاب تاریخ میں کہیں ایسی خشک سالی نہیں ملتی۔ ہزار بارہ سو برس قبل مکران کے علاقے سے بلوچوں کی نقل مکانی کا جوذکر ملتا ہے، اس میں بنیادی نکتہ آبادی میں اضافہ اور چراگاہوں کی کمی ہونا ضرور ہے، لیکن بلوچ سبّی، کچھی آجاتے ہیں، تو مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل ہوجاتا ہے۔ بلوچستان میں 1997ء سے 03-2002ء تک کی طویل خشک سالی ہوتی رہی لیکن ایک تو ان کا دورانیہ ایک، یا تین برس سے زیادہ نہیں ہوتا تھا، دوم یہ کہ یہ پورے بلوچستان پر محیط نہیں ہوتی تھی۔ یہ کبھی ایک تہائی، یا ایک چوتھائی حصے میں اور وہ بھی عموماً صحرائی علاقوں میں نمودار ہوتی تھی۔ 1997ء کی خشک سالی نہ صرف پورے بلوچستان میں پوری شدت کے ساتھ آئی، بلکہ اس کا اثر بلوچستان سے ملحق افغانستان کی

سرحد کے پار شمال میں اور شمال مغرب میں افغانستان کے وسیع علاقے مغرب میں بلوچستان سے ملحق ایرانی سرحد کے پار ایرانی بلوچستان اور ہستیان میں، دوسری جانب سندھ اور ڈیرہ غازی خان کے علاقوں کے علاوہ بھارتی علاقے راجستھان پر بھی پڑا۔

سوال یہ ہے کہ گیارہ ہزار سال کے عرصے میں یہ سات سالہ طویل اور شدید خشک سالی اس ترقی یافتہ دور میں کیوں آئی؟ اس کا جواب ماحولیاتی حقائق کی بنیاد پر دیا جاسکتا ہے۔ بلوچستان میں اگرچہ پنجاب اور سندھ کے مقابلے میں بارشیں کم ہوتی ہیں، لیکن 1960ء تک بلوچستان میں بارشوں کا اوسط بہتر تھا۔ 1990ء تک اگرچہ اوسطاً سالانہ بارشیں کم ہوئیں، لیکن پھر بھی یہ بلوچستان کے ماحول کو متوازن رکھتی ہیں۔ 1997ء سے بلوچستان میں خشک سالی شروع ہوئی۔ 1980ء کی دہائی میں افغانستان میں جنگ اور پھر خانہ جنگی کا سلسلہ رہا، ادھر ایران عراق جنگ آٹھ سال تک جاری رہی۔ پھر 1990ء کی دہائی کی ابتداء میں عراق پر امریکا اور اس کے اتحادیوں کی جانب سے حملے اور تیل کے کنوؤں میں آگ لگنے کے بعد بلوچستان میں کالی بارشیں ہوئیں، جن میں تیل اور ان کا جلا ہوا کاربن شامل تھا۔ افغانستان میں سابق سوویت یونین کی جارحیت اور افغان مجاہدین کی مزاحمت کے نتیجے میں 35 لاکھ افغان مہاجرین پاکستان آئے، ان مہاجرین کی بڑی تعداد بلوچستان میں قیام پذیر ہوئی، یوں اچانک بلوچستان پر آبادی کا بوجھ بہت بڑھ گیا۔ بلوچستان میں پہاڑوں، صحراؤں، دشت، وادیوں اور میدانوں میں ایندھن حاصل کرنے کے لیے بے تحاشا درخت کاٹے گئے اور پھر بڑی جھاڑیاں کاٹی گئیں، اسی زمانے میں نیشنل گرڈ کے ذریعے بجلی اندرون بلوچستان پہنچی، تو جابجا ٹیوب ویل لگنے لگے، اس سے قبل صدیوں سے بلوچستان میں کاشت کاری کاریزوں، چشموں، یا کنوؤں کے پانی سے ہوتی تھی اور آب پاشی کے نظام میں کاریزوں کا اہم کردار تھا، کاریز پہاڑوں کے دامن سے نکالی جاتی ہے، جسے زمین دوز نہر بھی کہتے ہیں، اس مقصد کے لیے پہاڑ کے دامن میں پندرہ پندرہ گز کے فاصلے پر کنویں کھودے جاتے ہیں اور پھر ان کنوؤں کو ایک سرنگ کھود کر ملا دیا جاتا ہے۔ سرنگ میں پانی کی نالی ڈھلان پر مرحلہ دار اوپر کی سطح تک لاتے ہیں اور آخر میں ایک تالاب بنا کر کاریز کا پانی جمع کرکے کھیتی باڑی اور پینے کے لیے استعمال کرتے ہیں، یہ بلوچستان میں کم از کم ڈھائی تین ہزار سال پرانا نظام آب پاشی تھا، جو نہ صرف بلوچستان کے قدرتی ماحول سے مطابقت رکھتا تھا، بلکہ کاریز کمیونٹی کی مشترکہ ملکیت ہوتی تھیں۔ اہم بات یہ ہے کہ اس مشترکہ بنیاد کے نظام آب پاشی پر بلوچستان میں آج تک کوئی جھگڑا، یا قتل نہیں ہوا، لیکن جب بجلی اندرونی علاقوں تک پہنچی، تو ان کاریزوں کے قریب ہی ٹیوب ویل لگا دیئے گئے اور یوں نوے فی صد کاریزیں خشک ہوگئیں۔ تلخ حقیقت ہے کہ بلوچستان میں ہم نے سات سالہ طویل اور شدید خشک سالی کو ایک بڑی اور قومی سطح کی قدرتی آفت کے طور پر نہیں لیا۔ اگر ماحولیات کے حوالے سے مستقل بنیادوں پر اور سنجیدگی سے اقدامات نہیں کیے گئے تو اس کا نقصان 8 اکتوبر 2005ء کے زلزلے سے ہیں زیادہ ہوگا۔ بلوچستان جو پاکستان کے جسم کا 44 فی صد ہے، ڈی ہائیڈریشن کے نازک مراحل میں داخل ہو چکا ہے، اگر بلوچستان میں صحرا بننے کے عمل کو ابتداء میں کنٹرول نہیں کیا گیا، تو اس کے مستقبل قریب میں نہایت نقصان دہ اثرات مرتب ہوں گے، اس لیے آفات سے نمٹنے کے قومی نظام کے تحت فوری طور بلوچستان میں صحرا بننے کے عمل اور اس کے محرکات پر فوری توجہ دی جائے۔ ۞۞۞

(بشکریہ: جنگ مڈ ویک)

بقیہ: زلزلے کے چھ ماہ بعد

سڑک سے 8 ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ایک گاؤں میں پہنچے۔ راستے میں پہاڑی ڈھلوانوں پر چمکتی ہوئی جست کی چادروں کی چھتوں والے گھر گواہ تھے کہ اس دوران مقامی لوگوں کی بحالی کا کام ضرور ہوا ہے۔ درخت کی چھاؤں میں بیٹھی ہوئی دادی کی گود میں ایک خوبصورت تین سالہ بچہ تھا۔ دو بہنیں بھی ساتھ تھیں۔ زلزلہ آیا تو بچوں کی ماں گاؤں میں اور باپ شہر میں ہلاک ہوگیا۔ ہم جس ایک کمرے کے گھر کے باہر بیٹھے تھے اس کی تعمیر کے لیے صرف جست کی چادریں فراہم کی گئی تھیں۔ انہوں نے لکڑی اپنے گرے ہوئے مکان سے نکالی تھی۔ لیکن یہ بھی ہوا کہ اگر کسی نے اپنے مکان کی دیواریں کھڑی کرلیں تو اس کی امداد روک دی گئی کہ چھت بھی خود ہی ڈالو۔ اس بوڑھے آدمی کے بس میں صرف یہی تھا کہ وہ ان دکانوں جن کا پچھلا حصہ ملیامیٹ ہوگیا تھا اور صرف چادر کے دروازے بچ گئے تھے ان کی اوٹ میں مٹی کے چولہے میں لکڑیاں جلا کر روٹیاں پکائے۔ ایک اور جگہ پانچ چھ دکانیں دھنس گئی تھیں۔ ایک دکان کی آدھی چھت بچ گئی۔ یہی چارہ تھا کہ وہ آدھی چھت کے نیچے پان بیڑی کا کھوکھا ڈال لے۔ گاؤں کی عورتوں کا کہنا تھا کہ زلزلے کے تین دن بعد انہیں تر کی کا آٹا ملا تھا۔ چائے بسکٹ، دودھ کے ڈبے؟ کچھ نہیں۔ مویشی ختم ہوگئے تھے۔ دودھ تو کجا پانی بھی نہیں تھا۔ چشمے کے پانی کے ذخیرے کے لیے بنائی گئی ٹنکی ٹوٹ گئی تھی۔ کچھ غیر سرکاری تنظیمیں مکانوں کے ماڈل تیار کر رہی ہیں۔ یہ لوگ اپنے وسائل اور اپنی سوجھ بوجھ سے مکان بنانے کے عادی ہیں۔ خدانخواستہ پھر کوئی زلزلہ آیا تو لوہے کے فریموں اور شیشوں سے بنائے گئے مکان بھی تباہ ہوں گے۔ فوری ضرورت تعمیراتی سامان کی فراہمی کی ہے۔ تاکہ وہ جلد تر اپنی چھت کے نیچے موسموں کی شدت سے محفوظ ہوسکیں۔ سڑکوں کی مرمت اور تعمیر ضروری ہے تاکہ انہیں مواصلات کی سہولت مل سکے۔ مظفر آباد کی ایک نواحی بستی کے اسکول کی عمارت کے نیچے بے شمار بچے دب گئے تھے۔ اب وہاں نیا اسکول قائم کردیا گیا ہے۔ وقت زخموں کو مندمل کردیتا ہے۔ مگر وہ بیوہ عورت جو ہاتھ میں عرضی لیے کسی سہارے کے لیے سرگرداں تھی، اس کے آنسو ابھی تک خشک نہیں ہوئے۔ کچھ طالب علم ملے۔ بقول ان کے بعض مذہبی جماعتیں، جن کے سائن بورڈ جگہ جگہ نظر آتے ہیں وہ زلزلہ زدگان کو اللہ کے عذاب سے ڈرا رہے ہیں۔ وہ لوگ کہتے ہیں یہ سب تمہارے گناہوں کی سزا ہے۔ واقعی، یہ لوگ بہت گناہ گار ہیں۔ غربت، بے علمی، بیماری، بڑے عیب ہیں ان میں۔ وہ بیمار پڑتے ہیں تو انہیں دوا لینے کے لیے یا بچے کی ولادت کے لیے عورتوں کو دور تک جانا پڑتا ہے۔ پینے کے پانی کے لیے پہاڑ پار کرنا پڑتا ہے۔ زلزلہ برپا ہوا تو دنیا بھر کا میڈیا وہاں پہنچ گیا۔ وہ خبر کا دور تھا۔ مگر اب مسائل کا زمانہ ہے۔ کہ بچے اغوا ہونے لگے ہیں۔ لڑکیاں فروخت ہونے لگیں، ان کا ریپ ہونے لگا۔ جنوبی ایشیا کے دیگر غریب ممالک کی مانند یہ بھی ہوا کہ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں تھا تو ماں نے کہا کہ 'اچھا میری بیٹی لے جاؤ' سانحے مجبوریوں کو جنم دیتے ہیں۔ اقدار اور تہذیب و تمدن میں انقلابی تبدیلی وقوع پذیر ہوتی ہے۔ مری سے اسلام آباد جانے والی سڑک کے بائیں جانب تہذیبی ارتقا کے لیے نیومری کی تعمیر کے آغاز کے لیے درخت کاٹ کر بلڈوزر چلایا جا چکا ہے۔

۞۞۞

کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کا ڈھانچہ ایک بار پھر تبدیل کر کے تین زونز میں تبدیل کردیا گیا ہے اور ہر زون کا انچارج ایک چیف انجینئر کو بنایا گیا ہے

کراچی میں فراہمی نکاسی آب کی خدمات کا ارتقاء

شہری خدمات

شہری رپورٹ

کراچی کو پانی کی رسد اور تقسیم کا کام ماضی میں کئی اداروں نے سر انجام دیا کراچی جوائنٹ واٹر بورڈ 1953 میں قائم کیا گیا اور اسے دریائے سندھ کے ذریعے کراچی کے فراہمی آب کے نظام کے پہلے بڑے توسیعی منصوبے کو سرانجام دینے کا فریضہ سونپا گیا اور اس منصوبے کو ادارہ ترقیات کراچی (کے ڈی اے) کے حوالے کردیا گیا۔ اس ادارے کا قیام 1957ء میں عمل میں آیا تھا۔ صاف شدہ پانی کی خوردہ فروشی اور تقسیم کی ذمہ داری بلدیہ کراچی (کے ایم سی) اور دیگر 22 آزاد اداروں اور پانی کے بڑے استعمال کنندگان پر ہی رہی۔

برسوں کے بعد پیداوار اور تقسیم کی ذمہ داری کی تقسیم سے کام کا انتظام مشکل ہوتا چلا گیا۔ بعدازاں پانی کی فراہمی کے نظام کو چلنے کے لیے ایک نئے ادارے کے قیام کا فیصلہ کیا گیا چنانچہ صورتحال کو بہتر بنانے کے لیے 1981ء میں کراچی واٹر مینجمنٹ بورڈ (کے ڈبلیو ایم بی) وجود میں آیا۔ کے ڈبلیو ایم بی کو تمام بلدیاتی علاقے میں پانی کی تقسیم کی ذمہ داری سونپی گئی اور محصولات کی وصولی کے اختیارات بھی تفویض کیے گئے۔

کے ڈبلیو ایم بی کی کارکردگی کبھی بھی قابل عمل تجویز نہیں تھی۔ کیونکہ اس کی اپنی آمدنی کی کوئی بنیاد نہیں تھی اور اسے پانی کی قیمت کی وصولی کے لیے کے ایم سی پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ لیکن اس کے قیام کے بعد کچھ بہتری ضرور آئی خصوصاً محصولیات کے ڈھانچے کو تبدیل کیا گیا اور محصول کو دگنا کردیا گیا۔ یہ سب کچھ تو ہوا لیکن نکاسی آب کے انتظام کی ذمہ داری کے ایم سی کے سر رہی۔ حکومت نے فراہمی آب اور نکاسی آب کی خدمات اور قرضہ دینے والے بین الاقوامی اداروں سے تعاون حاصل کرنے کے لیے ایک متحدہ ادارے کی تخلیق کو سراہتے ہوئے فروری 1983ء میں حکومت نے سندھ لوکل گورنمنٹ ترمیمی بل پاس کیا جس کے تحت کے ایم سی کے زیر اختیار کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کا قیام عمل میں آیا۔ 1996ء میں کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ

ایکٹ 1996ء نامی ایک نیا ایکٹ نافذ
جس کے تحت کراچی واٹر اینڈ سیوریج بو
کے ایم سی سے الگ کردیا گیا اور حکومت
ضمن میں الگ سے سالانہ بجٹ مختص
تھی۔ کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ ا
1996ء میں قانونی دائرہ کار، فرائض
تفصیل کے ساتھ ساتھ حاضر مالیاتی ر
اختیارات کی تفویض کی تفصیلات مہیا
گئیں۔ سندھ لوکل گورنمنٹ آرڈیننس (
ایل جی او) 2001ء کے وجود میں آ
ڈبلیو اینڈ ایس ڈبلیو نے دفعہ 182(4)
تحت پہلے سے جاری کاموں کی تکمیل کا
اٹھایا۔ اس کی ساخت کا عمل 14 اگ
2001ء کو مکمل ہوا۔ اگست 2001ء
پہلے فراہمی آب اور نکاسی آب
12-12 فیلڈ ڈویژن اور 26 ٹیکس ڈو
تھے دفعہ 184(4) کے تحت 18 ٹاؤ
حدود کا از سر نو تعین کیا گیا جس کے باعث
سیوریج، ٹیکسوں اور دیگر شعبوں کو 18
مطابق کیا گیا اور ان میں مدغم کر کے دوسرا
گیا۔ اسی کے مطابق نفاذ کے عمل کی سا
دوبارہ کی گئی۔ 18 ٹاؤنز کی حدود کے
2002-2003ء کا سالانہ بجٹ بھی
مرتب کیا گیا۔

کے ڈبلیو اینڈ ایس بی کا ڈھانچہ ایک
پھر تبدیل کیا گیا ہے اب خدمات کو تین
(ہر زون میں 6 ٹاؤن) میں تقسیم کر
زون کا انچارج ایک چیف انجینئر کو بنایا گ
اور ہر ٹاؤن میں ایک نگران انجینئر کی م
موجودگی ضروری قرار دی گئی۔

Shehri concludes its Turtle Conservation Project

On September 16, 2005, a seminar was held at a local hotel in Karachi where the Shehri project team *(Farhan Anwar, Project Coordinator and Naila Ahmed, Project Officer)* gave the final presentation of the project to the relevant stakeholders Mr. Shams-ul-Haq Memon, Secretary, Ministry of Environment and Alternate Energy, Government of Sindh and Mr. Nadeem Bukhari, Project Coordinator GEF/LIFE Program UNDP Pakistan attended the seminar.☐

Public information material on display

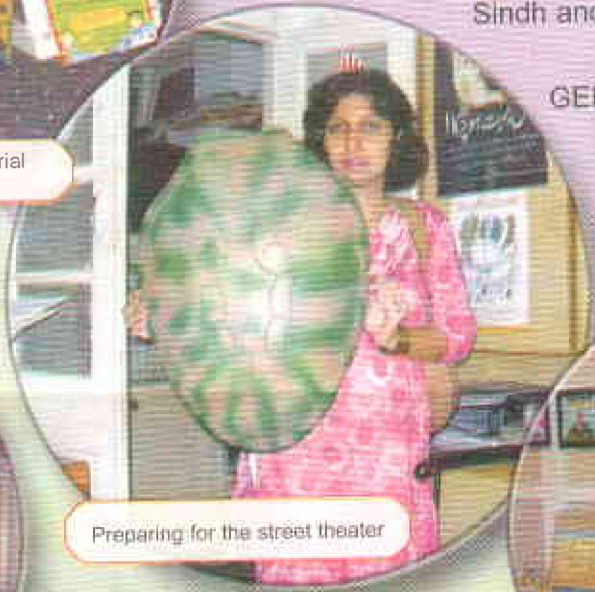

Preparing for the street theater

Project products on display

Awards being presented to the winning students

Working session in progress

Street theater being performed